بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویٰقَوْمِ مَالِیٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدْعُوْنَنِیٓ اِلَی النَّارِ ؕ

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟

(سورہ مومن آیت نمبر ۴۱) (ترجمہ از توضیح القرآن)

امام العصر نمبر

ماہنامہ

# راہِ نجات

بارہمولہ کشمیر

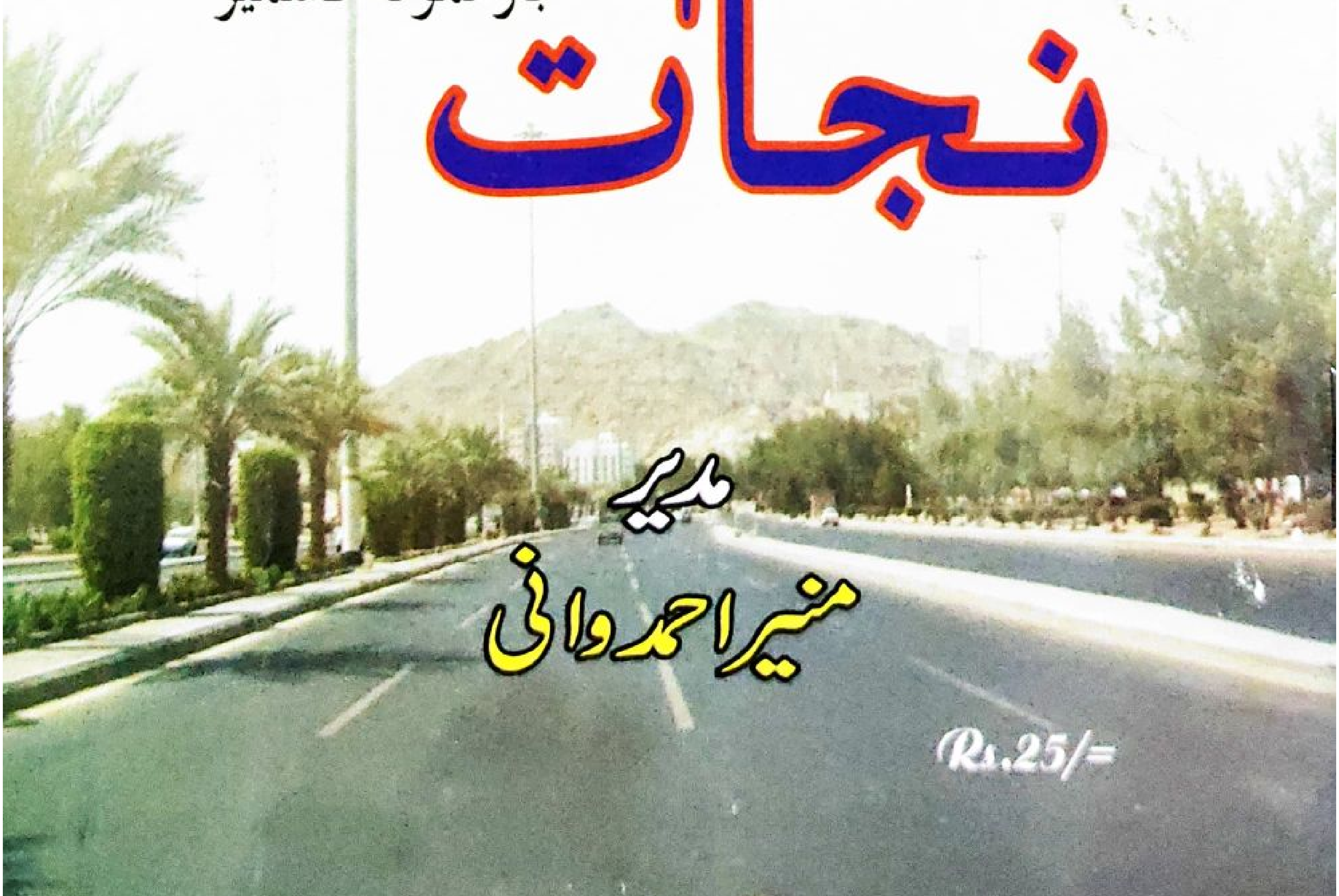

مدیر

منیر احمد وانی

(Rs.25/=

رسالے مرتب کیے جہاں جاتے تھے۔ان رسالوں کو ساتھ لیتے تھے اور مجلسوں میں پڑھتے تھے۔ایک صدی کے اندر اندر وہ اندلس تک پہنچ گئے۔یہ فلسفہ دین کے بنیادی عقائد سے ٹکراتا تھا۔اس کے مقابلہ کے لئے اللہ نے امام غزالیؒ کو کھڑا کیا اور وہ اپنے زمانے کے امام ٹھہرے جنہوں نے دو بڑے کارنامے انجام دیے ایک یہ کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کیا اور اسلام کی طرف سے فلسفہ کی بنیادوں پر حملہ کیا اور دوسرا یہ کارنامہ کہ زندگی اور معاشرت کا اسلامی اور اخلاقی جائزہ لیا اور اخلاص اور عالی ہمتی کے ساتھ ایسی قابل قدر کتابیں لکھیں جن کے فیض سے یہ امت قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی۔ان صفات کی بنا پر وہ اپنے زمانے کے امام ٹھہرے۔امام غزالیؒ کے علاوہ بھی دیگر عظیم الشان علمی ہستیوں مثلاً ابن رشدؒ، امام رازیؒ، ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اس میدان میں اہم کام کیا۔

## عام دعوت کی ضرورت

صحیح اسلامی عقائد جن کو مذکورہ ائمہ حضرات نے اپنے خونِ جگر سے نقلی اور عقلی دلائل کی بنیاد پر ایک صحیح ترتیب کے ساتھ مدون کیا تھا ان کو عوام میں راسخ کرنے کے لئے اور ذہنوں اور طبیعتوں کا رخ موڑنے کے لئے ایسے داعیان کرام کی ضرورت تھی جن کی ذات سے دین کو قوت حاصل ہو۔اللہ کے فضل نے مسلمانوں کو آغوشِ رحمت میں لیا اور بغداد کے اندر دو داعی کھڑے کر دئے جن میں سے ایک کا نام سید عبدالقادر جیلانیؒ تھا اور دوسرے کا نام عبدالرحمان بن الجوزیؒ تھا۔دونوں سے اللہ نے دین کو بڑا نفع پہنچایا۔دونوں بزرگ مذہب حنبلیؒ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اپنے دور کی اس ضرورت کو پورا کرنے والے یہ دونوں حضرات اس دور کے امام تھے۔اور ان کے علاوہ دور تابعین سے ہی اس میدان میں جلیل القدر ائمہ پیدا ہوتے رہے جیسے حسن بصریؒ، جنید بغدادیؒ، ابراہیم بن ادہم وغیرہ۔

## عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ "قادیانیت" ہے

## قصہ قادیانیت کا

مرزا غلام احمد بانیٔ قادیانیت ۱۹۰۸ء میں فوت ہوا۔اس کی تعلیم کا خلاصہ تین باتوں میں بیان کیا جاسکتا ہے (۱) پہلی بات یہ کہ نبوت ختم نہیں ہوئی۔اور آنحضور ﷺ کے بعد وہ ایک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویقوم مالیٓ ادعوکم الی النجوۃ و تدعوننیٓ الی النار ہ ط

(ترجمہ از توضیح القراں)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا، اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ (سورہ مومن آیت نمبر ۴۱ )

ماہنامہ

**اِمامُ العصر نمبر**

# راہِ نجات


بارہمولہ کشمیر

جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱ بابت ماہِ مارچ، اپریل ۲۰۱۴ء


**سر پرست**


## عاصیؔ غلام نبی وانی


**ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، اونر**


## منیر احمد وانی

﴿زرِ تعاون﴾

(فی شمارہ =/25 روپے)(سالانہ =/300 روپے)

(خصوصی تعاون قارئین کی صوابدید پر ہے)

﴿خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ﴾

دفتر ماہنامہ راہ نجات لون کمپلیکس متصل شیروانی میموریل ہال بارہمولہ کشمیر

PIN :- 193101 (J&K)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے لہٰذا اپنی خریداری کو جاری رکھنے کے لئے آئندہ کا زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔


بانی و سرپرست: عاصی غلام نبی وانی 9797087730

نائب سرپرست: سالک بلال 9596002936

ایڈیٹر، اونر، پبلشر: منیر احمد وانی 9906518328


(نوٹ) راہِ نجات ایک خالص تحقیقی رسالہ ہے۔ مُتدیّن اہل علم و قلم حضرات کے تحقیقی مقالوں اور رشحاتِ قلم کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا ہمارا بنیادی مقصد ہے۔ قدیم اور جدید کے صالح امتزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کو اس پرآشوب دور میں صحیح حقائق سے باخبر رکھنا ہم وقت کی اہم اور اشد ضرورت سمجھتے ہیں۔

لیکن!

اس کے لئے جدید متدین دانشور طبقہ اور علوم اسلامیہ کے حاملین و وارثین علومِ نبوت کو شانہ بہ شانہ ہو کر کام کرنا ہوگا۔ ادارہ راہِ نجات اس کارِ عظیم کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت سے کام کرنے کا عزم لئے ہوئے صحافتی دنیا میں کود پڑا ہے۔ خدا کرے ادارہ کا یہ دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔

**نوٹ**

مدیر کا مقالہ نگار کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

# اس شمارے میں



| نمبر شمار | نام گوشہ | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | ادارت | پیش لفظ | مدیر | ۴ |
| ۲ | تحقیق | امام العصرؒ | غلام نبی وانی | ۷ |
| ۳ | ادب اسلامی | در مدح امام العصرؒ | عاصیؔ غلام نبی | ۶۹ |
| ۴ | تذکرۃ الصالحین | خواجہ غلام حسن نحوی......تدریسی و تبلیغی خدمات | پروفیسر بشیر احمد نحوی | ۷۰ |
| | | مولانا مصفاؔ......کشمیر کا ایک بلند پایہ نعت نگار | ایضاً | ۷۴ |
| | | پروفیسر جی ایم شادؔ......فارسی کا عاشق صادق | ایضاً | ۷۸ |
| | | خواجہ غلام مصطفیٰ مصفاؔ – چہل ہزار اشعار کا تخلیق کار | ایضاً | ۸۳ |
| | | شاعر عرفانیات عزیز الحسن مجذوبؔؒ | ڈاکٹر فیض احمد | ۸۸ |
| ۵ | سوال و جواب | شرعی و فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال و جواب کی روشنی میں | غلام نبی وانی | ۹۶ |
| ۶ | تصوف اسلامی | درس مثنوی | غلام نبی وانی | ۱۰۵ |
| ۷ | مکتوبات مع اظہار رائے | مکتوب بنام راہِ نجات | پروفیسر مرغوبؔ بانہالی (شاعر توحید) | ۱۰۸ |

# پیش لفظ

خدا کا شکر ہے کہ ہم آج مولانا انور شاہ صاحبؒ کے متعلق ایک خاص نمبر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن وقت کی تنگ دامنی کی وجہ سے ہم شاہ صاحبؒ کے متعلق اُن تمام باتوں کو اس شمارے میں بیان نہ کر سکے جن کا جاننا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ اب جتنا کچھ بھی ہم نے اس رسالے میں بیان کیا ہے اس کو شاہ صاحبؒ کے متعلق پہلا حصہ تصور کیا جائے اور اگر زندگی نے وفا کی تو ان کے متعلق دیگر ضروری معلومات کو دوسرے حصہ میں مناسب وقت پر شائع کیا جائے گا۔ مثلاً عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء اور دانشوروں نے شاہ صاحبؒ کے متعلق مختلف اوقات میں کیا فرمایا ہے اور کس طرح ان کی جلیل القدر شخصیت کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اسی طرح اہم مسائل میں شاہ صاحبؒ کا کیا نظریہ تھا اور انہوں نے کن مضبوط علمی دلائل کی بنیاد پر وہ نظریات قائم کئے تھے۔ ان کے شاگردوں نے اس برصغیر ہندو پاک میں خصوصاً اور پوری دنیا میں عموماً کس قسم کے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی اپنی کتنی تصانیف ہیں اور ان کے درس کے دوران ان کے شاگردوں نے جو تقاریر ان سے سنی ہیں ان کو کس طرح علمی شہپاروں کی صورت میں پورے عالم اسلام میں پھیلایا ہے یہ اور اسی قسم کی دوسری تمام باتیں انشاء اللہ راہِ نجات کے ذریعے قارئین تک پہنچائی جائیں گی۔ راہِ نجات کے خدام اپنا کوئی ذاتی نظریہ لوگوں تک پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس وقت تک جن بزرگانِ دین کے شمارے ہم نے شائع کئے ہیں۔ ان ہی کے علم کو آسان اردو میں منتقل کر کے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مثلاً مولانا رومیؒ، علامہ اقبالؒ، شاہ اشرف علی تھانویؒ مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ اور کشمیر کے دیگر بزرگانِ دین مثلاً علمدار کشمیر شیخ نورالدین نورانیؒ، شیخ حمزہؒ اور دیگر اولیاء کشمیر۔ یہی بزرگان دین ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ہم ان سے بہتر کوئی بات نہیں بتا سکتے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے دلوں کو اللہ رب العزت نے اپنے نورِ عرفان سے بھر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا ہمارے مقاصد میں شامل ہے۔ جس میں ارکان اسلام کے علاوہ

دیگر دینی معلومات کو بھی نوجوان نسل تک پہنچانا ہے۔ اگر آپ بھی اس کارِ خیر میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ "قارئین راہِ نجات" کا حلقہ بڑھانے کی کوشش کریں۔ اور اپنے قیمتی مقالوں سے ہمیں نوازیں۔ خاصکر کشمیر کے حوالہ سے جن حضرات نے کوئی بھی دینی خدمت کشمیر کے کسی گوشے میں تحریری یا دعوتی انداز میں کی ہو ان کے متعلق کچھ لکھ کر ادارہ کو بھیجیں تا کہ افادہ عام کے خاطر اس کو شائع کیا جائے۔ اور تذکرۃ الصالحین میں اس کو جگہ دی جائے۔

**مدیر**

## خریداران راہِ نجات سے ایک گذارش

ہم ادارہ راہِ نجات کی طرف سے ان تمام حضرات سے گذارش کرتے ہیں جو کسی وجہ سے اپنی سالانہ ممبرشپ کی رقم دفتر میں آکر ادا نہیں کر سکتے ہیں وہ جموں وکشمیر بنک کے درج ذیل اکاونٹ نمبر میں اپنی ممبرشپ کی رقم اپنے نام اور پتہ کے ساتھ داخل کریں:

**Rah-i- Najaat J&K Bank (T.P Baramulla)**

**Account No:**

**0213010100004334**

(نوٹ) لیکن رقم داخل کرتے وقت ان نمبرات میں سے کسی ایک نمبر پر ہمیں ضرور مطلع فرمادیں۔

**9797087730,9596002936,9906518328**

**منیجر راہِ نجات**

# حیات انور پیدائش سے وفات تک ایک نظر میں

| واقعات | سنہ ہجری | سنہ انگریزی |
|---|---|---|
| حصول علم کے لئے ہزارہ کا سفر | ۱۳۰۵ھ | ۱۸۸۷ء |
| ہزارہ سے واپسی | ۱۳۰۸ھ | ۱۸۹۰ء |
| گھر پر قیام | ۱۳۰۹ھ | ۱۸۹۱ء |
| دارالعلوم دیوبند میں داخلہ | ۱۳۱۰ھ | ۱۸۹۲ء |
| دارالعلوم سے فراغت | ۱۳۱۴ھ | ۱۸۹۶ء |
| حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وشاگردی | ۱۳۱۴ھ | ۱۸۹۶ء |
| مدرسہ امینیہ دہلی کی صدر مدرسی | ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۲۰ھ تک | ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۲ء تک |
| کشمیر میں واپسی | ۱۳۲۰ھ | ۱۹۰۲ء |
| قیام کشمیر کے دوران سفرِ حرمین | ۱۳۲۳ھ | ۱۹۰۵ء |
| بارہمولہ میں مدرسہ فیض عام کا قیام | ۱۳۲۴ھ | ۱۹۰۶ء |
| فیض عام میں تدریسی خدمات | ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۸ھ تک | ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک |
| دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں شرکت | ۱۳۲۸ھ | ۱۹۱۰ء |
| دارالعلوم میں بحیثیت مدرس اور صدر مدرسی کے علاوہ شیخ الھند کی جانشینی | ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۶ھ تک | ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۷ء تک |
| تأہل (نکاح) وغیرہ | ۱۳۳۶ھ | ۱۹۱۷ء |
| جمیعت الھند کے آٹھویں سالانہ اجلاس منعقدہ پشاور کی صدارت | ۱۳۴۵ھ | ۱۹۲۶ء |
| دارالعلوم دیوبند سے ترک تعلق | ۱۳۴۶ھ | ۱۹۲۷ء |
| جامع اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات | ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۵۱ھ تک | ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک |
| مقدمہ بھاولپور میں شہادت اور لاہور کا آخری سفر | | ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء |
| وفات | ۱۳۵۲ھ | ۱۹۳۳ء |

# امام العصرؒ

عاشق غلام نبی وانی (ایم۔اے عربی، فارسی، بی ایڈ کشمیر یونیورسٹی)

ہم نے اس نمبر کا نام ''امام العصر'' رکھا ہے۔اور اسے مولانا انور شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔امام عربی زبان میں پیشوا اور راہنما کو کہتے ہیں یا اس شخص کو جس کی اقتداء کی جائے ان دو معنی کے لحاظ سے اس کی جمع ''ائمہ'' ہے۔اسلامی تاریخ میں کئی بڑی اور اہم شخصیتوں کے ساتھ یہ لفظ جوڑا گیا ہے۔مثلاً امام حسینؓ، امام حسنؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ وغیرہ۔لفظ امام کی تشریح میں سنی اور شیعہ حضرات کے درمیان کچھ اختلاف بھی ہے جو اس وقت ہمارے موضوع سے باہر کی بات ہے۔یہاں پر ہم صرف اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے کن کمالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لئے امام العصر کا لقب استعمال کیا ہے۔چونکہ ہم نے اس خصوصی شمارے کا نام ہی امام العصر رکھا ہے لہٰذا اس بات کو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان صفات وکمالات کو اجاگر کریں جو مولانا انور شاہ کشمیریؒ میں پائے جاتے تھے اور جن کی وجہ سے وہ واقعی امام العصر کہلانے کے مستحق ہیں۔

کسی شخص کی علمی برتری کو سمجھنے کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ اس نے کتنا لکھا ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہے اسکا تحقیقی اور علمی اعتبار سے وزن کتنا ہے۔اس بات کی تصدیق کے لئے مولانا انور شاہ صاحبؒ کے متعلق ان کے ہم عصر علماء اور عظیم المرتبت شاگردوں کے تاثرات کافی ہیں جو مختلف قسموں کی علمی اور ادبی کتابوں میں کافی عرصہ پہلے ضبط تحریر میں آچکے ہیں۔اور اہل علم اس سے بے خبر نہیں ہیں۔عوام کا تو کچھ اعتبار نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ **العوام کاالانعام** مطلب یہ کہ حق وباطل میں تمیز کے سلسلے میں عوام کی مثال چوپایوں جیسی ہے البتہ علماء کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ **انما یخشی اللہ من عبادہِ الاعلماء** ۔ترجمہ: بے شک اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے علماء ہیں۔

# عالم اسلام کے چند بڑے ائمہ حضرات

صحابہؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور آیا۔ان ادوار میں اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر و ایران اور دوسرے وسیع اور زرخیز علاقوں تک پہنچ گیا۔معاشرت، تجارت اور مملکتوں کا نظام پیچیدہ شکلیں اختیار کرنے لگے۔ان حالات میں ان معاملات کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کے لئے ایک تفصیلی ضابطے کی ضرورت تھی۔لیکن یہ کام وہی حضرات انجام دے سکتے تھے جو نہایت ہی ذہین، معاملہ فہم، باریک بین، اور زندگی کے مختلف شعبوں سے گہری واقفیت رکھتے ہوں اور اسلامی تاریخ، اور شریعت کی روح سے گہری واقفیت اور اسلام کے پورے علمی ذخیرے پر کامل عبور رکھتے ہوں۔اس کام کو سرانجام دینے کے لئے ایسے لوگ میدان عمل میں آئے جو اس وقت کے ممتاز ترین افراد تھے مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔خاص کر امام ابوحنیفہؒ نے تراسی (۸۳) ہزار مسائل علم اور تحقیق کی روشنی میں بیان فرمائے۔جن میں اڑتیس ہزار عبادات کے متعلق ہیں اور پنتالیس ہزار معاملات کے متعلق۔ان حضرات کو خوش قسمتی سے ایسے قابل شاگرد بھی ملے جنہوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا۔اور ان مسائل کو نکھارا اور ان کی ترتیب کا کام انجام دیا لہٰذا یہ لوگ اپنے زمانے کے امام ٹھہرے اور ان کی خدمات سے قیامت تک مسلمان مستفید ہوتے رہیں گے امام احمد بن حنبلؒ نے ''فتنۂ خلق قران'' میں جو کارنامہ انجام دیا وہ امت محمدیہ پر قیامت تک ان کا احسان ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا دور آیا جس میں ''فرقہ معتزلہ'' نے فلسفیانہ انداز میں اپنے حسن تقریر اور حاضر جوابی سے قرانِ مجید کی تفسیر اور عقائد اسلام میں نقل سے زیادہ عقل کو اہمیت دینا چاہی اس فتنہ سے نمٹنے کے لئے اللہ نے امام ابوالحسن اشعریؒ کو نوازا اور اسی زمانہ میں امام ابومنصور ماتریدیؒ کو نوازا جو فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے۔ان دونوں حضرات کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔اور یہ اس زمانہ کے امام ٹھہرے۔

## فلسفۂ یونان اور اس کا رد

چوتھی صدی ہجری کے درمیان میں ایک خفیہ انجمن بغداد میں قائم ہوئی جس میں فلسفہ یونان کو معیار قرار دیا گیا۔۔اس انجمن کا نام ''اخوان الصفا' ] تھا۔انہوں نے فلسفہ کی نمایندگی کے لئے ۵۲

صاحب شریعت نبی ہے۔اوراس کو وحی آتی ہے دوسری بات یہ کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ نے آسمان پر اُٹھا کر نہیں لیا بلکہ وہ کشمیر کی طرف بھاگ کر وہیں فوت ہو گئے۔تیسری بات یہ کہ جس مہدی کا تذکرہ کتابوں میں آیا ہے وہ میں ہی ہوں۔اس کے علاوہ اس نے انبیاءؑ،اولیاء اور علماء کی شان میں گستاخیاں کیں۔گالیاں دیں ۔حضرت شاہ صاحبؒ نے دس بنیادی اسباب اس کے کفر کے متعلق لکھے ہیں۔

مولانا انور شاہ صاحبؒ کے ایک جلیل القدر شاگرد مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم چند خدام قادیان کے جلسہ میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کے ساتھ حاضر تھے۔صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے چند خاص شاگردوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ زمانہ کو الحاد (بے دینی) کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ سب سے زیادہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔اس فتنہ نے مجھے اس طرف متوجہ کیا ہے۔میں نے اس کے متعلق کچھ مواد جمع کیا ہے لیکن میرا ایک خاص علمی رنگ ہے۔اس قسم کی تحریر کو آجکل پسند نہیں کیا جاتا ہے۔میں نے عربی میں رسالہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق ایک جامع رسالہ ''فصل الخطاب'' عربی میں تحریر کیا۔علماء اور طالب علموں میں تقسیم کیا۔اکثر لوگوں نے شکایت کی کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا۔اس لئے اگر آپ کچھ ہمت کریں تو یہ ''مواد میں آپکو دیدوں ۔اس وقت ہم چار آدمی حاضر خدمت تھے احقر، سید مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب۔پھر چونکہ اس دورِ اخیر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اس فتنہ کی (اصول دین کی روشنی میں) حقیقت مسلمانوں کو سمجھائی اور مرتد ہونے سے بچایا لہٰذا وہی اس دور کے امام ہیں اگر چہ اس زمانے کے دیگر علماء نے بھی کارہائے نمایاں انجام دئے جو سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں لیکن اس فتنہ کو مٹانے کے لئے جس مضبوط علمی بنیاد کی ضرورت تھی وہ کام اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے لیا ۔گویا وہ نظام شمسی میں وہی مقام حاصل کر پائے جو اپنے گرد سیاروں میں سورج کو ہے۔

## ولادت اور شاہ صاحبؒ کے بچپن کے عجیب وغریب واقعات

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز سنیچر اپنے ننہال موضع ''دودھوان'' علاقہ لولاب میں پیدا ہوئے۔آپؒ کے والد صاحب کا نام پیر محمد معظم شاہ اور ماں کا نام ''بی بی مال دیدی'' تھا دونوں میاں بیوی کا سلسلہ نسب چند پشتیں اُوپر جا کر حضرت بابا مسعود نروریؒ

کی اولاد میں مل جاتا ہے۔ اُن دنوں مولانا معظم شاہ ضلع مظفر آباد کی وادی نیلم کے موضع لوات میں رہتے تھے۔ پیدائش کے بعد آپ کی ماں اپنے اس بچے کو اپنے گھر لوات لے کر چلی۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد مولانا معظم شاہ صاحبؒ اپنی خواہش سے وادی نیلم سے سکونت ترک کر کے ''دودھوان'' میں مقیم ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے بھی منتقل ہو کر علاقہ لولاب کے موضع وزنو کو اپنا مسکن بنایا۔ جہاں آج ان کی ذریت موجود ہے۔

مولانا نے ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد محمد معظم شاہ صاحبؒ سے قرانِ پاک پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی آپ کے والد صاحب کا بیان ہے کہ جب مولانا انور صاحب نے ایک کتاب، جس کا نام ''قدوری'' ہے شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے تھے کہ مبسوط کتابوں (Detailed) کے مطالعہ کے بغیر ان کا جواب دینا ناممکن تھا۔ میں مولانا کو ان موشگافیوں سے بچنے پر منع کرنے پر مجبور ہوا آخر پریشان ہو کر انھیں ایک دوسرے عالم کے سپرد کیا۔ مگر دوسرے استاد کو بھی یہی شکایت پیش آئی۔

ایک دفعہ آپ کے والد صاحب نے مولانا انور شاہ صاحبؒ اور ان کے بھائی کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کے پاس برکت حاصل کرنے کے لئے لیا۔ عارف نے جب اس بچہ کو دیکھا تو والد سے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا بچہ ہے؟ پھر کہا کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم ہوگا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مُسلّم ہو گی۔ (نوٹ) مولانا حامد الانصاری غازی نے اس کشمیری بزرگ کا نام میاں نظام الدین مجددی لکھا ہے ایک دفعہ شاہ صاحبؒ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آگئے۔ اِس عالم نے ان کی اِن کتابوں کو اُٹھا کر دیکھا۔ کتابوں پر خود حضرت کے حواشی لکھے ہوئے تھے۔ بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیزی طبع، سرعت فہم اور طبیعت کی دور رسی کا اندازہ کر کے بے اختیار انہوں نے کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانے کا غزالی ہوگا۔ آپ کے غیر معمولی احوال کو دیکھ کر کشمیر کے عوام عام طور پر شبہ کرتے تھے کہ کہیں آپ مہدی موعود نہ ہوں۔ آپ کے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید کرنی پڑتی تھی۔

آپ نے خود ایک موقع پر فرمایا میں بارہ سال کی عمر میں فتاویٰ دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ (بحوالہ حیات انور)

تاریخ اقوام کشمیر میں محمد الدین فوق نے لکھا ہے کہ آپ نے کشمیر کے علاقہ کامراج کے اور دو اساتذہ مولوی عبدالجبار اور مولوی غلام محمد سے فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کی۔ تین سال ضلع ہزارہ کے مختلف علماء وصلحاء کی خدمت میں رہے۔ اور پھر سولہ سترہ سال کی عمر میں ہندوستان کے اعظم ترین دارالعلوم دیوبند میں پہنچے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ آپ کے استاد تھے لیکن وہ آپکی ذکاوت اور ذہانت کی وجہ سے آپ کا بڑا ادب کیا کرتے تھے۔ آپ درس وتدریس اور مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ آپ کو کبھی شادی کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء جب آپکی عمر ۴۴ سال تھی۔ حضرت شیخ الہند اور مولانا حبیب الرحمان دیوبندیؒ کے بے حد اصرار سے آپ نے گنگوہ کے ایک سید خاندان میں شادی کی۔ آپ نے جس دارالعلوم (دیوبند) سے علوم وفنون حاصل کئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہیں مدرس ہو گئے اور جب تک شادی نہ ہو چکی تھی آپ بغیر تنخواہ کے پڑھایا کرتے تھے۔ شادی کے بعد قلیل تنخواہ لینی قبول کی۔ حالانکہ حیدر آباد دکن اور بعض مقامات سے آپ کو صدہا روپے ماہوار تنخواہوں پر بلایا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے دیوبند کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا قبول نہیں کیا۔ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں آپ تیسری یا چوتھی مرتبہ اپنے والد کی زیارت اور چھوٹے بھائیوں کی ملاقات کے لئے کشمیر آئے۔ اور سرینگر، بارہمولہ، سوپور اور لولاب کے علاقہ میں مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید فرماتے رہے۔ سیاست، تاریخ، فلسفہ، حدیث، تفسیر، فقہ، ہیئت، لغت، معانی وبیان، صرف ونحو اور دیگر علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے فیض یافتہ اور تلامذہ ہند اور بیرون ہند میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی سوانح حیات اخبار کشمیر لاہور مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۶ء کے کشمیری کانفرنس نمبر میں چھپی۔

(بحوالہ تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)

## شاہ صاحب کا ضلع ہزارہ اور دیوبند کی طرف طالب علمی کا سفر

آپ نے ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں اپنے وطن عزیز کو چھوڑ دیا۔ شفقت کی وجہ سے ماں باپ نے اس ارادے سے روکنے کی کوشش کی لیکن علم کا یہ عاشق ہزارہ صوبہ سرحد کی طرف چل پڑا کیوں کہ اس دور میں یہ علاقہ علم کا ایک مرکز بنا ہوا تھا۔ آپ نے اس علاقہ میں تین سال تک قیام کیا اور اپنے علوم میں اضافہ کیا۔ لیکن آپ کی علمی پیاس صرف اتنے علم کے حصول سے ہی نہ بجھ سکی اور کشمیر کے بعض اساتذہ سے دیوبند کا ذکر سنا کہ یہ جگہ علوم اسلامیہ کی اپنی نوعیت کی واحد یونیورسٹی ہے جہاں کے اساتذہ کی شہرت پورے عالم اسلام میں تھی۔ یہ دیوبند کا وہ زمانہ تھا جس میں مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبند

کے روحِ رواں تھے جو علوم ظاہری و باطنی علوم میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا قاسم صاحبؒ کے تربیت یافتہ تھے۔اسی مبارک زمانے میں آپ ۱۳۰۸ھ میں دیوبند تشریف لائے۔ مدرسہ کی جگہ اور ذمہ داران مدرسہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے دارالعلوم سے قریب ہی ایک مشہور مسجد ''مسجدِ قاضی'' میں قیام کیا۔غربت وناداری کی وجہ سے کئی وقت لگاتار فاقہ رہے لیکن اس فقر وفاقہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیا ۔اس مسجد کے متولی (جس کا نام قاضی احمد حسین تھا) نے اس طالب علم کے چہرے پر شرافت اور بھوک کے آثار محسوس کر کے پوچھا کہ پیارے تم کس ارادے سے دیوبند آئے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود الحسنؒ سے حدیث پڑھنے کے لئے کشمیر سے آیا ہوں۔ مسجد کے متولی نے پہلے شاہ صاحبؒ کو کھانا کھلایا اور پھر مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں پہنچادیا۔اس وقت دارالعلوم میں کوئی مطبخ نہیں تھا اور نہ ہوسٹل میں رہنے کے لئے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لحاظ سے گنجائش۔ چنانچہ آپ نے پٹھان پورہ کی جامع مسجد میں قیام کیا اور کافی مدت تک اس مسجد کی امامت کے ساتھ ساتھ پانی بھرنے، مسجد کی صفائی ، صفیں بچھانے اور اُٹھانے کا کام انجام دیتے رہے۔اس دور میں دارالعلوم کا اہتمام منشی فضل حق صاحب کے ہاتھ میں تھا اور صدر مدرس مولانا محمود حسن صاحب تھے۔نصاب میں ہر فن کی معیاری کتابیں داخل تھیں ۔یہاں حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۳۱۱ھ سے ۱۳۱۴ھ تک بخاری شریف ،ترمذی شریف ۔جلالین شریف ،ہدایہ جلد اول ،قاضی مبارک ابوداود شریف ،مسلم شریف ،بیضاوی شریف ،تصریح شرح چغمنی ،صدرا،مؤطا امام مالک ،موطا امام محمد ،نسائی شریف ،ابن ماجہ شریف ،شمس بازغہ،اور طب میں نفیسی پڑھی۔

## شاہ صاحبؒ کا نسب

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں اپنا سلسلہ نسب کشمیر کے ایک مایہ ناز بزرگ شیخ مسعود نروریؒ سے جوڑا ہے۔جن کا سلسلہ پیچھے چل کر امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ملتا ہے۔اس سلسلہ کے لوگ امام صاحب کی اولاد ہونے کے بارے میں تاریخی کتابوں کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔

## شیخ مسعودؒ کون تھے؟

حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ شیخ مسعود صاحب ۹۵۰ھ کے

قریب کشمیر میں تشریف لائے ۹۵۰ھ سے ۱۱۵۰ھ تک اس خاندان کے بزرگ سرینگر شہر کے علاقہ زورہ میں بحیثیت تاجر اپنے کاروبار میں مشغول رہے۔ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں شیخ مسعود کی وہ شاخ (جس میں مولانا انور شاہ صاحبؒ پیدا ہوئے) شمالی کشمیر کے علاقہ لولاب میں رہنے کے لئے تشریف لے گئے۔ تیرہویں صدی ہجری میں جب ریاست پر رنجیت سنگھ کا قبضہ ہوگیا تو اس کے گورنروں نے ظلم وستم کا بازار گرم کیا۔ ہزاروں لوگ ان مظالم سے تنگ آکر وطن چھوڑنے کے لئے مجبور ہوگئے جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان کے جدامجد شاہ عبدالکبیرؒ اور دوسری شاخ کے ایک اہم بزرگ محمد صالح بھی تھے اور شمالی دروں کو عبور کرتے ہوئے وادی نیلم کے اونچے پہاڑوں کو سر کرتے ہوئے سرسبز وادی میں پہنچ گئے اور وہاں دینی پیشوائی کی شکل میں باعزت زندگی بسر کرنی شروع کی۔ اس وقت وادی نیلم کا حاکم راجہ منصور علی خان تھا جو اس قسم کے مہاجروں کی فراخ دلی سے مدد کرتا تھا۔ یہ وہاں رعایا بن کر اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہوگئے۔ اس خاندان کے بہت سے گھرانے اب بھی اس وادی نیلم میں آباد ہیں اس زمانے میں وہاں کے راجہ منصور خان نے شاہ عبدالکبیر کو اپنی سلطنت کا قاضی مقرر کیا تھا اور انہوں نے وہیں وفات پائی۔

## مہاجرین کا واپس کشمیر آنا

جب سکھوں کا دور ختم ہوا تو کشمیر پر جموں کے ڈوگرے مسلط ہوگئے۔ جنہوں نے وادی نیلم کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا اب لولاب اور وادی نیلم میں کوئی فرق نہیں رہا۔ وہاں بھی ڈوگروں کا راج مسلط ہوگیا اور یہاں بھی۔ اس ڈوگرا شاہی دور میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں تشدد کے اعتبار سے تھوڑی سی کمی آگئی جو تیرہویں صدی کا آخری اور چودھویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ایسی فضا میں مولانا معظم شاہؒ اپنے آبائی وطن کی طرف پھر لوٹے۔ کچھ وقت دودھوان میں قیام فرمایا اور اس کے بعد وادی لولاب کے ایک گاؤں ورنو میں قیام پزیر ہوگئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کشمیر میں اپنے خاندان کے بانی اول شیخ مسعود نروری تک اپنا سلسلہ نسب بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

”و فی المکتوباتِ الخطیة عن خلف الشیخ (مسعود) اِنَّ سلفهٗ جاءُ وْ

ا مِنْ بغدادَ الیٰ الھند و د خلوا ملتانَ ثُمَّ ارتحلو ا الی بلدۃ لاھور ثُمَّ الی الکشمیر . و اللہ اَعلَمُ.

ترجمہ: یعنی شیخ مسعود کی اولاد کے پاس قدیم قلمی تحریرات میں لکھا ہے کہ ان کے اسلاف بغداد سے ہندوستان آئے اور سب سے پہلے ملتان میں داخل ہوئے پھر وہاں سے لاہور شہر کی طرف کوچ کیا اور اس کے بعد کشمیر کی طرف منتقل ہو گئے (واللہ اعلم)۔

کشمیر میں شیخ مسعود کے والد جناب جنید بحیثیت تاجر تشریف لائے یہ سلطان زین العابدین اور اس کے جانشینوں کا زمانہ تھا جن کی راجدھانی سرینگر کے شمال میں اس جگہ تھی جہاں آج کل سرینگر کا محلّہ نوشہرہ ہے۔ یہ حضرات نوشہرہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ سکونت اختیار کرنے لگے جس کا نام ''زورہ'' ہے۔ اسی محلے میں شیخ مسعودؒ کا مزار بھی ہے۔ اور آپ کے کئی فرزند اور پوتے بھی آپ کے قریب ہی دفن ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مسجد اور خانقاہ بھی ہے جو ''زیارت علم صاحب'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں وہ تبرکات ہیں جو شیخ مسعودؒ کے مرشد سید احمد کرمانیؒ ملتان سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کے فرزند سید محمد مسافر کرمانیؒ نے ۹۷۶ھ میں شیخ مسعود کو سپرد کئے تھے۔ یہاں سے شیخ مسعودؒ کی اولاد وادی کشمیر کے دیگر علاقوں تک پھیل گئی وادی میں ان کی تعداد آج پانچ ہزار سے کچھ زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس خاندان کے لوگ کہیں بھی چلے جائیں محلّہ زورہ کے ساتھ ان کا دلی لگاؤ برابر قائم رہتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی جب ہندوستان سے کبھی تشریف لاتے تھے تو اپنے جد پاک کے مقبرے پر حاضری دیتے تھے اور ایصال ثواب کرتے تھے پھر یہاں کی خانقاہ میں وعظ بھی فرماتے تھے۔

## شیخ مسعودؒ کی اولاد کا لولاب میں سکونت اختیار کرنا

شیخ مسعود کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ ان کے ایک پوتے بابا عارف تبلیغ دین کرتے کرتے لولاب ضلع کپواڑہ پہنچے اور وہاں کے دل کش ماحول سے متاثر ہو کر وہیں بس گئے۔ پھر زمانے کی رفتار کے ساتھ اس کی اولاد لولاب کے دیگر گاؤں سایہ ون، شاٹھ مقام، کانٹھ پورہ، گنگ بوگ، دار پورہ، سونہ نار، دوھ وان، ہیری، گلگام، لال پورہ اور لولاب کے باہر علاقہ کامراج میں ترگہ پورہ، چک شتلو ہہ اور سوپور تک پھیل گئے۔ ورنو بھی اس فہرست میں شامل ہے جو

شاہ صاحب کی وجہ سے عالمی شہرت کا باعث بن گیا

## صورت اور سیرت

انسان کی سب سے بڑی صفت اس کی اچھی سیرت ہے۔ اچھی اور نیک سیرت سے لوگوں کے دل جیتے جاتے ہیں۔ سیرت کا اپنا ایک ذاتی حسن ہوتا ہے جو ظاہری آنکھوں کو اگرچہ نظر نہیں آتا ہے لیکن صاحب نظر لوگوں کو منکشف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی نکتے کی وضاحت مولانا رومیؒ نے اپنی مشہورِ عالم کتاب مثنوی میں اس طرح کی ہے۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی — کز تو مجنون شُد پریشان وغوی

از ہمہ خوباں تو افزوں نیستی — گفت خامش چوں تو مجنون نیستی

دیدۂ مجنون اگر بودے تُرا — ہر دو عالم بے خطر بُودے ترا

ترجمہ:۔ مجنون عاشق کے زمانے میں خلیفہ وقت نے ایک دفعہ لیلیٰ سے کہا کہ کیا تو ہی وہ لیلیٰ ہے جس کے لئے مجنون اتنا پریشان اور دیوانہ ہوا ہے مجھے تو یوں لگتا ہے کہ عام خوبصورت عورتوں سے کوئی زیادہ حسن تجھ میں موجود نہیں ہے۔ لیلیٰ نے جواب دیا کہ خاموش ہو جا۔ تجھے میرا حقیقی حسن اس لئے نظر نہیں آتا ہے کیوں کہ تو مجنون نہیں ہے۔ اگر تجھے مجنون کی آنکھیں ہوتیں تو دونوں جہاں سے بے خبر بن جاتا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے اصل محاسن اور خوبیوں کو پرکھنے کے لئے خود بھی صاحب استعداد ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے کہ لیلیٰ را از چشم مجنون باید دید۔ کہ لیلیٰ کو مجنون کی آنکھوں سے دیکھنا چاہئے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ظاہری حسن سے بھی نواز دے تو یہ بات نورٌ علیٰ نور بن جاتی ہے۔ اللہ نے یہی معاملہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ فرمایا تھا۔ کہ ان کو ظاہری حسن سے بھی مالا مال کیا تھا اور باطنی اوصاف سے بھی نوازا تھا۔

## حسن ظاہری

مولانا احمد قاسمی صاحبؒ نے سیرت انور میں لکھا ہے کہ "اگر ایک طرف آپ ایک چلتی پھرتی لائبریری اور بحر ذخار تھے تو دوسری طرف حسن و جمال میں بھی یکتا تھے۔ سپید کھلا ہوا رنگ

، چوڑا چکلا سینہ ، لمبا لیکن کشیدہ قد ، بھرا ہوا جسم ، فراخ کشادہ پیشانی ، ستواں ناک ، بڑی بڑی آنکھیں ، نرم ونازک جلد ، الغرض آپ حسن وجمال کا ایک مرقع تھے ۔ بڑے سے بڑے مجمع میں بھی لوگ آپکو پہچان لیتے تھے ، کہ یہی سب سے بڑا عالم ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک خاص جاذبیت عطا فرمائی تھی ، اور علمی وروحانی فیض کی شعائیں آپ کے چہرہ مبارک سے اسی طرح ہویدا (ظاہر) تھیں کہ جو کوئی ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتا پھر چہرہ مبارک سے اپنی نظر نہ اُٹھاتا ۔ آپ بڑے حلیم اور کم گو تھے ۔ بلاضرورت بات کرنے کے عادی نہ تھے ۔ اور یہی ایک عالم کی نشانی ہے کہ اس کی ہر بات سے وقار ٹپکتا ہے اور وہ بلاضرورت باتیں کرنا پسند نہیں کرتا ، ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص حسن سیرت اور حسن صورت دونوں میں یکتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحبؒ کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا ۔ شاہ صاحبؒ کے علمی وصوری محاسن کی بدولت ہر شخص آپ کی طرف کھنچتا تھا ۔

## اساتذہ کے نام

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ، مولانا اسحاق صاحب امرتسریؒ اور مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ سے آپ نے علوم دینیہ حاصل کئے ۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گنگوہ تشریف لے گئے جہاں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے علم حدیث کے علاوہ باطنی تعلیم بھی حاصل کی ۔ شیخ محمد اسحاق کشمیری سے صحیح مسلم ، سنن نسائی ، ابن ماجہ سبقاً سبقاً پڑھیں ۔ ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ پانچ سال فارسی حاصل کرنے میں صرف ہوئے اور اگلے پانچ سال عربی کی تعلیم حاصل کرنے میں ۔ اس طرح تعلیم کی کل مدت دس سال بنتی ہے ۔

## حصول علم کے بعد دہلی میں درس دینا

دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے زمانہ طالب علمی کے ایک دوست مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے وہ ایک بڑے رئیس کے بیٹے تھے ۔ اسی اثنا میں آپ کے ایک دوسرے دوست مولانا امین الدین صاحب دہلوی آپ کے پاس تشریف لائے جو مدرسہ امینیہ دہلی کے بانی ہیں ۔ وہ آپکی بڑی قدر کرتے تھے اور طالب علمی سے آپ کے علمی کمالات سے واقف

تھے۔ انہوں نے آپ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ دہلی تشریف لائیں اور وہاں ہی قیام فرما کر صدر مدرسی کا عہدہ قبول فرمائیں جو آپ نے بڑے بحث ومباحثہ کے بعد قبول فرمایا۔ بہر حال ان دونوں حضرات کے معمولی سرمایہ اور دہلی کے چند اصحاب خیر لوگوں کی مدد سے چند طلبہ کو لے کر ۱۳۱۵ھ میں پڑھانا شروع کیا جس کے پہلے مہتمم مولوی امین الدین اور پہلے صدر مدرس مولانا انور شاہ کشمیریؒ منتخب ہوئے۔ بعد میں دو تین استادوں کا مزید اضافہ کیا گیا۔ بانی مدرسہ کے اخلاص اور صدر مدرس کی علمی شان کے پیش نظر تھوڑی مدت میں مدرسہ نے ایک خاص مقام حاصل کیا۔ مولانا انور شاہ صاحبؒ کی تنخوہ یہاں پر تین روپے تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد بیس روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ تک شاہ صاحبؒ نے مدرسہ امینیہ میں درس دیا۔

## شاہ صاحب کا کشمیر واپس آنا اور مدرسہ فیض عام قائم کرنا

پھر اپنے بھائی مولوی یاسین شاہ صاحبؒ کے انتقال کے پیش نظر کشمیر تشریف لائے۔ یہاں کے دینی حالات نے آپکو ادھر ہی قیام کرنے پر مجبور کیا۔ ابھی آپ اس کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ بارہمولہ کے ایک رئیس خواجہ عبدالصمد ککرو کے تعاون سے مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ شاہ صاحبؒ نے تین چار سال اس مدرسہ میں کام کیا دہلی کے طالب علمی کے زمانہ کے ایک ساتھی کو اس مدرسہ کے مقاصد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقیر حقیر نے کشمیر کے مشہور قصبہ بارہمولہ میں علم دین کی اشاعت اور فقہ حنفی کی اعانت کے لئے ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ جہاں فقہ وحدیث کی تعلیم بھی شروع ہوگئی۔ بعض نیک نہاد اس اقدام کی خوبی پر مطلع ہو کر دین کی حمایت اور مدرسہ کی نصرت کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں۔

## شاہ صاحبؒ کا حج

کشمیر کے قیام کے دوران مکہ اور مدینہ کی زیارت کی تمنا پیدا ہوئی اس مبارک سفر کا ذریعہ ککرو خاندان کے بعض افراد بن گئے۔ ۱۳۲۳ھ میں سفر حج کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ شریف میں چند ہفتے قیام کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری دی۔ اسی سفر میں مدینہ میں ''رسالہ حمیدیہ'' کے مصنف شیخ حسن طرابلسی نے آپ کو حدیث کی سند عطا فرمائی۔ ۱۳۲۳ھ میں ہی آپ وطن لوٹے۔ ۱۳۲۸ھ

تک مدرسہ فیض عام کو اپنی خدمات سے نوازا۔ خلاف توقع ناقدردانی اور بد معاملگی کی وجہ سے آپ بد دل ہوگئے۔ آپ کے ذہن میں مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ رشتہ داروں اور قریبی لوگوں نے نکاح کرنے پر زور دیا لیکن آپ نے ارادہ کیا تھا کہ تجرد (تنہائی) والی زندگی ہی گذاریں گے۔ لہٰذا نکاح نہیں کیا۔

## شاہ صاحبؒ کا ارادۂ ہجرت

جب آپؒ ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ پہلے دیوبند جا کر اپنے استاد شیخ الہند محمود حسن صاحبؒ کی زیارت کروں۔ لہٰذا پہلے دیوبند تشریف لے گئے اور استاد کے سامنے اپنی ہجرت کے ارادہ کا اظہار کیا۔ وہ آپکی اعلیٰ صلاحیتوں سے واقف تھے۔ انہیں خیال آیا کہ آنے والے دنوں میں دیوبند کو جس معیار کے صدر مدرس کی ضرورت ہے۔ ان کا یہ شاگرد اس پر پورا پورا اترے گا۔ استاد نے دیوبند میں ہی قیام کا حکم دیا۔ شاہ صاحبؒ اس حکم کو نہ ٹال سکے اس لئے دیوبند میں ہی ٹھہرنے کو قبول کیا۔ آپکو مسلم شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ کے پڑھانے پر مامور کیا گیا۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ مولانا کے اس عظیم المرتبت استاد کو اپنی سیاسی تحریک (آزادی ہندوستان) کے سلسلہ میں دیوبند ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب جانا پڑا۔ استاد اور دیگر اکابرین کی رائے سے شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم کا صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر کیا گیا۔ آپ کی تقرری کے بعد آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف کو ایک ایسے نادر انداز میں پڑھانا شروع کیا جس سے درس و تدریس کی پرانی روایتیں انقلابی انداز میں بدل گئیں اور طالبان حدیث آپ سے مستفید ہونے کے لئے دور دراز مقامات سے دارالعلوم دیوبند کی طرف رخ کرنے لگے۔

## نکاح اور دیوبند میں قیام

حضرت شاہ صاحبؒ کا نکاح ۴۴ سال سے زائد عمر میں ہوا۔ اس وقت ان کی زوجہ محترمہ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ شاہ صاحب کے نکاح کا قصہ اس طرح ہے کہ وہ پہلے نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے اور تجرد (تنہائی) کی زندگی گذارنا چاہتے تھے۔ ایسی صورت حال میں شاہ صاحبؒ کی ہجرت کا قوی امکان تھا کیوں کہ وہ کشمیر سے سرزمین حجاز کی طرف اسی ارادہ کے تحت نکل بھی گئے تھے۔ اور دیوبند صرف اپنے استاد محترم سے اجازت حاصل کرنے کے لئے

حاضر ہوئے تھے۔ یہاں پہنچ کر آپ کے اساتذہ نے دیوبند میں پڑھانے پر مامور کیا۔ لیکن پھر بھی ان کو اس کا اندیشہ تھا کہ شاہ صاحب کسی وقت ہجرت کریں گے۔ آپؒ کے قیام کو مستقل بنانے کے لئے ان کو یہ سوجھی کہ شاہ صاحبؒ کو نکاح کرنے کی ترغیب دی جائے۔ شاہ صاحبؒ کو اپنی علمی اور تدریسی مشغولیتوں کی وجہ سے اسطرف بالکل توجہ نہ تھی۔ اس معاملے میں بھی شاہ صاحبؒ کو اپنے اساتذہ نے مجبور کیا اور قصبہ گنگوہ کے ایک سید خاندان کی یتیم بچی کے ساتھ نکاح کروایا۔ بھوپال برات گئی۔ کیوں کہ اس بچی کا باپ بھوپال میں داروغہ جنگلات رہ چکا تھا اور وہاں ہی ایک خوش حال زندگی گذارتا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی پرورش اپنے بڑے بھائی حافظ محمد ظفر مرحوم صاحب کے حصہ میں آئی۔ جنہوں نے اپنی غربت کے باوجود اس کو بڑے ناز کے ساتھ پالا اور اس کی شادی بھی کردی اور چالیس سال کی عمر میں وہاں ہی فوت ہو گئے۔

اس بارات میں قاسمی خاندان کے اکثر افراد اور مولانا حبیب الرحمان عثمانی صاحب شریک تھے۔ جوں ہی بارات بھوپال کے اس محلہ میں پہنچی جہاں سے دلہن کو لانا مطلوب تھا تو ایک معمر شخص کو دیکھ کر کہرام مچ گیا کہ تیرہ (۱۳) سال کی معصوم بچی ایک بڑے عمر والے آدمی کے ساتھ بیاہی گئی۔ جاہل عورتوں نے یہی بات بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کی شریک حیات تک پہنچادی جو اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سن کر کانپ اٹھی۔ جب نکاح کے بعد رخصتی ہوئی تو جھانسی ریلوے سٹیشن پر نماز پڑھنے کے لئے یہ سب حضرات اترے۔ جہاں ان کی نظر مولانا محمد ادریس سکھروڈوی پر پڑی جو اس وقت جوان رعنا تھے۔ انہوں نے اپنے خیال میں اسی کو اپنا شوہر سمجھا اور بھوپال کی عورتوں کی باتوں کو غلط سمجھ کر خوشی محسوس کرنے لگی۔ اس کے بعد ریل جب دہلی پہنچی تو عورتوں کو مسافر خانہ میں بٹھایا گیا کیوں کہ دیوبند جانے والی گاڑی کچھ دیر کے بعد آنے والی تھی۔ شاہ صاحب کی زوجہ محترمہ اور اس کی بہن اپنے ایک بکس پر بیٹھی ہوئی تھیں کہ شاہ صاحب کا سالا سید محفوظ علی دوڑے ہوئے ان کے پاس پہنچا اور بتایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ آپ کے ساتھ بات کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ دونوں بہنوں کو تعجب ہوا کیوں کہ یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحبؒ پہنچ گئے اور دونوں بہنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں ایک مفلوک الحال اور غریب الوطن ہوں۔ مجھے شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مولانا حبیب اور دوسرے اکابر کے اصرار پر مجبوراً یہ صورت اختیار کرنا پڑی۔ میرے پاس دینے کے لئے بھی کچھ نہیں۔ نہ میرا گھر ہے اور نہ گھر ہستی سے کوئی سروکار، دارالعلوم کے ایک حجرہ میں فروکش ہوں۔ دونوں بہنیں گریہ میں آگئیں۔ شاہ صاحبؒ یہ کہہ کر اٹھ آئے۔ بارات دیوبند پہنچی۔ دلھن کو قاری محمد طیبؒ کے مکان میں

اُتارا گیا۔ دوسرے دِن شاہ صاحبؒ نے مولانا ادریس صاحبؒ کے ذریعہ مندرجہ ذیل چیزیں اپنی دُلہن کے لئے بھیجیں (۱) ایک چٹائی (۲) مٹی کا ایک بدھنا (۳) ایک لوٹا (۴) مٹی کے دو پیالے اس کے ساتھ دارالعلوم کا ایک آدھا نان بھیجا۔ گھر میں شاہ صاحب کا آنا جانا بہت کم رہتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر شاہ صاحبؒ کی شریک حیات کی بہن ناراض رہتی اور اس رشتہ کو توڑنے کا منصوبہ بنایا لیکن شاہ صاحبؒ کی زوجہ محترمہ اپنے عزم پر قائم رہیں اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا۔ البتہ اس محلّہ کی ایک بوڑھی عورت نے ہمدرد و غمگسار بن کر کہا" کہ شاہ صاحبؒ کی بے التفاتی کو ختم کرنے کے لئے کسی موثر تعویز کی ضرورت ہے۔ لیکن تعویز دینے والے نے دس روپے طلب کئے۔ اور یہ اپنی غربت کی وجہ سے اس حقیر رقم کا انتظام بھی نہ کر سکی۔ لیکن عورتوں کی عام نفسیات کے پیش نظر ایک چاندی کا زیور دے دیا۔ تعویذ آیا بازو پر باندھ لیا گیا۔ چند ہی گھنٹوں کے بعد شاہ صاحبؒ خلاف توقع و معمول تشریف لائے۔ شاہ صاحبؒ کی زوجہ محترمہ نے اس آمد کو تعویذ کا اثر محسوس کیا۔ خوشی سے جھوم رہی تھی کہ تدبیر کارگر ثابت ہوگئی۔ شاہ صاحبؒ جب تشریف لائے تو کسی تمہید کے بغیر فرمایا کہ ارے ہم پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ مطالعہ کی کثرت کی بنا پر فرصت نہیں ملتی۔ شاہ صاحبؒ کی زوجہ محترمہ کہتی ہے کہ شاہ صاحبؒ فرمار ہے تھے تو مجھ پر خجالت سے گھڑوں پانی گرا۔ پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ وہ اُدھر اُٹھ رہے ادھر میں نے تعویذ کھول دیا پھر الحمد للہ بے توجہی کی کبھی شکایت نہیں ہوئی اور نہ اس طرح کے مخمصوں میں خود کو مبتلا کیا۔ اپنے جذبات و خواہشات کو شاہ صاحبؒ کی خواہشات پر قربان کر دیا۔ صرف ایک بار کوئی زینت کی تو شاہ صاحب نے اپنے نرم اور مخصوص انداز میں فرمایا کہ ارے یہ کیا واہیات ہے؟ پھر اس کے بعد بناوٹ و سجاوٹ کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اپنے نیک شوہر کی وفات کے وقت اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن لباس کی سادگی، رہن سہن کی بے تکلفی اور آرائش سے دوری عبرت انگیز تھی۔ غریب بچیوں کی شادی اور غربت نوازی یہاں تک تھی کہ ہمیشہ مقروض رہتی تھیں یہاں تک کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا اور جو قرض کا بوجھ پیچھے چھوڑا تو وہ مولانا انظر شاہ صاحبؒ کو ادا کرنا پڑا۔ ان کی بڑی بہن کا انتقال عالم شباب میں دہلی میں ہوا۔ والد صاحب کا بھوپال میں۔ گنگوہ میں آبائی مکان تھا جس کے اب آثار بھی باقی نہیں۔ (دیکھو نقش دوام صفحہ ۴۲)

## [۱۹۱۰ سے ۱۹۲۷ء تک]

## حضرت شاہ صاحبؒ بحیثیت مدرس و صدر مدرس دیوبند

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بتایا گیا کہ جب مولانا انور شاہ صاحبؒ کو اپنے استاد مولانا محمود الحسن نے

دیوبند میں قیام کرنے اور درس دینے پر مامور فرمایا تو مولانا انور شاہ صاحبؒ اپنے استادِ محترم کی خواہش کو نظر انداز نہ کر سکے اور اپنی طبیعت کی چاہت کے باوجود ہجرت کا ارادہ ترک کیا۔ لیکن اکابر دیوبند کو ساتھ ہی یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں مولانا پھر اپنا ارادہ بدل کر ہجرت نہ کر لیں لہٰذا شاہ صاحب کا نکاح بھی کرایا اور اس میں اہم رول مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ نے ادا کیا۔

## پھر کیا ہوا

مولانا انظر شاہ صاحبؒ نقش دوام میں لکھتے ہیں:

''پھر آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ دارالعلوم میں گزارا۔ اور آپکی تدریس دارالعلوم کی وقارِ علمی کی سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ اسی دور میں آپ سے طلبہ کے ساتھ فضلاء نے بھی استفادہ کیا۔ دور دراز کے علماء اپنی علمی مشکلات کو حل کرنے کے لئے دیوبند آتے اور مرحوم سے استفادہ کیا جاتا۔ امام العصر اس دور میں بھی تدریس و تعلیم کے ساتھ اشاعت دین اور دین کے لئے پیدا شدہ خطرات سے تحفظ کی پوری فکر رکھتے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب فتنۂ قادیانیت نے بال و پر نکالے تو اس فتنۂ کبرا کی بیخ کنی میں اپنی تمام علمی و عملی توانائیاں صرف کر دیں۔ تلامذہ کو قادیانیت کے خلاف محاذ پر لا کھڑا کیا اور بہت سے مقررین و اہل تصنیف ایسے بنا ڈالے کہ وہ قادیانیت کی شہ رگ کے لئے تیز چھری ثابت ہوئے۔ بلاشبہ آج قادیانیت، کفر کے مترادف ایک حقیقت جس قوت سے سمجھی جا رہی ہے وہ ان کے مجاہدانہ عزائم کا ایک عکس جمیل ہے''۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔ پھر ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۷ء تک بحیثیت صدر مدرس اور جانشین مولانا محمود حسن کام کیا اس طرح آپ نے دارالعلوم کے علمی ماحول میں سترہ سال گذرے۔

## ڈابھیل میں قیام

۱۹۲۷ء میں آپ نے دارالعلوم میں چند اصلاحات چاہیں جن کو اس وقت کے ارباب اختیار نے منظور نہ کیا تو آپ اپنے ہم خیال حضرات کے ساتھ دارالعلوم سے بوجہ اختلاف کنارہ کش ہو گئے۔ ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا عزیز الرحمان صاحبؒ (۲) علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ (۳) علامہ سراج احمد صاحب رشیدیؒ
(۴) مولانا سید محمد ادریس صاحبؒ (۵) مولانا محمد بدر عالم صاحبؒ (۶) مولانا محمد حفظ الرحمن صاحبؒ
(۷) مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانیؒ (۸) مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانویؒ

# حضرت شاہ صاحبؒ کی درسی خصوصیات

مولانا قاری طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم فرماتے ہیں کہ "حضرت شاہ صاحبؒ کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے دروس میں نہیں تھیں۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث بنا ہوا ہے۔"

حضرت قاری طیب صاحبؒ کا مقالہ اگرچہ طویل ہے ہم اس کا ایک مختصر سا خلاصہ پیش کریں گے۔ جو اس طرح ہے:

## پہلی خصوصیت

آپ کے درس حدیث کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ آپ کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں نہیں لاتے تھے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو حدیث کے حکم کے تحت قبول کرتے ہیں۔ حدیث فقہ کی طرف نہیں لے جاتے ہیں بلکہ فقہ حدیث کی طرف لایا جارہا ہے۔ بالفاظ دیگر حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال کر پیش کر رہا ہے اور اُسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

ایک دفعہ شاہ صاحبؒ کا ایک اہل حدیث سے مناظرہ ہوا اہل حدیث عالم نے پوچھا کیا آپ ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا نہیں میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی کی تائید کررہے ہیں پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا یہ حسن اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے ۔اس طرز جواب سے سمجھانا یہی منظور تھا کہ ہم فقہ حنفی کو خواہ مخواہ بنانے کے لئے حدیث کا استعمال نہیں کرتے ۔بلکہ حدیث میں سے فقہ حنفی کو نکلتا ہوا دیکھ کر استخراج (نکالنا) اس کا سمجھا دیتے ہیں اور طریق استخراج پر مطلع کر دیتے ہیں

## دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ درس حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ اس میں ہر علم وفن کی بحث آتی تھی مثلاً معانی، بلاغت، معقولات اور موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس، فلسفہ جدیدہ اور ہیئت جدید وغیرہ کے مباحث بھی حدیث کے ذیل میں آتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ درس محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ ،تاریخ ،ادب ،کلام ،فلسفہ ،منطق۔ ہیئت ،ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا۔

# تیسری خصوصیت

تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے درس میں علوم و معارف کے ساتھ علمی مزاح اور لطائف و ظرائف بھی ہوتے تھے جس سے ہر استعداد کا طالب علم لطف اندوز ہوتا تھا۔ کبھی کبھی طلبہ کے ساتھ بھی علمی رنگ کا مزاح فرما لیتے تھے۔

ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان بخاری کا درس زور و شور سے ہو رہا تھا۔ اچانک کتاب بند کر دی، اور فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ تم بھی گھر کا راستہ لو۔

طلبہ حیران ہو گئے کہ کون بھائی شمس الدین، اور وہ آتے کب تھے؟ اور رخصت کب ہو گئے؟ ہماری حیرانی کو دیکھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو غروب ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ "جاہلین" دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں، اب کیا اندھیرے میں سبق پڑھو گے۔ کیا وہ لطف کا سبق ہو گا۔

# فنِ اسماء الرجال

اس علم میں راویوں کے حالات سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ گویا راویان حدیث کی سوانح حیات اور ان کا تذکرہ ہے۔ اسماء الرجال کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون سا راوی کس درجہ کا ہے کس روایت میں اس پر کس حد تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے جن راویوں کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے ان کے متعلق اپنا قول فیصل بتلا دیتے۔ کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے اس کی روایت "حسن" کے درجہ میں رہے گی یا صحیح کے درجہ میں قابل قبول ہوگی یا قابلِ اغماض (چشم پوشی کے قابل) ہے مولانا چاروں اماموں کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو اس مذہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہیں پھر ان کا تسلی بخش جواب دے کر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح (فضیلت) بیان فرماتے۔

# چوتھی خصوصیت

## [مصنفین اور مولفین کے حالات بتانا]

یہ ان کا ایسا اچھا طریقہ تھا جس کی بدولت محنتی اور ذوق و شوق رکھنے والے طلباء ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علم کے ذیلی ساز و سامان سے مسلح ہو جاتے یا کم از کم علمی طور پر مسلح (ہتھیار بند) بننے کا ڈھنگ ان کو آ جاتا تھا۔ شاہ صاحبؒ کی اس خاص صفت کے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ "سچ یہ ہے کہ ہر

غریب مدرس واستاد کے بس کی یہ بات بھی نہیں کہ مطالعہ کئے بغیر جس عالم کا ذکر آ جائے اس کے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات سے طلباء کو آگاہ کرنے پر قادر ہو یہ تو ان کے خصوصی حافظے کا کمال تھا"

## پانچویں خصوصیت

"حدیث پڑھاتے وقت وہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ اس خاص علم کے ساتھ تعلق رکھنے والے دوسرے علوم وفنون کا بھی تذکرہ ہو جن کا جاننا مدارس اسلامی کے طلبہ کے لئے ضروری ہے۔لہٰذا ان کا بھی ذکر فرماتے مسئلہ کی ایسی تاریخ بیان فرماتے جس کے سننے کے بعد معلوم ہو جاتا تھا کہ اس مسئلہ کی ابتداء کس شکل میں ہوئی اور کن کن نقاط سے گذرتے ہوئے موجودہ حال تک پہنچا۔"

اس ساری کوشش کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آئندہ علمی مرحلوں میں ان کے لئے کوئی دشواری باقی نہ رہے۔وہ نہ صرف طلباء میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنا چاہتے تھے بلکہ مطالعہ کا طریقہ کیا ہونا چاہیے اس سے بھی طلباء کو آگاہ کرتے تھے۔لہٰذا خاص اسی مقصد کے لئے ان کے سامنے درس میں کتابوں کا انبار رہتا جن سے ضرورت کے وقت مسئلے کے بنیادی ماخذ (Sources) کی نشاندہی فرماتے تا کہ طلباء صرف زبانی حوالوں پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ مختلف مسائل میں بدلائل کے ساتھ گفتگو کرنے کی انھیں عادت پڑ جائے۔

## چھٹی خصوصیت

## [اسرار وحکم کا بیان]

اسرار وحکم کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی حکمت کو دریافت کیا جائے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو طرح سے خطاب فرمایا ہے (حاکمانہ اور حکیمانہ) حاکمانہ لب ولہجہ میں کسی حکم کو جاری کرنے میں اس کی حکمت وعلت بیان نہیں کی جاتی جب کہ حکیمانہ انداز میں کسی بات کی مصلحت اور حکمت کی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔مثلاً جب قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ پیش آیا تو یہود اہل کتاب ہونے کے باوجود ناراض ہو گئے ظاہر ہے کہ ان کو سمجھانے کے لئے حکمت کے بجائے حاکمانہ لب ولہجہ درکار تھا لہٰذا جب اللہ نے ان کو خطاب کیا تو مختصر الفاظ میں فرمایا کہ قل للہ المشرق و المغرب (یعنی ان اعتراض کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ مشرق ومغرب کے مالک ہم ہیں اس لئے جو چاہیں حکم دیں) دوسری طرف سے صحابہ کرام کی تابعدار جماعت تھی جنھوں نے اس حکم کو دل وجان سے قبول کیا۔یہاں اس بات کی ضرورت تھی کہ انہیں اس کی حکمت ومصلحت سمجھادی جائے تا کہ

وہ ایک سچے پکے مومن کی طرح زیادہ سے زیادہ اطمینان حاصل کرسکیں۔ اس لئے ارشاد ہوا (الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه) اور یہ قبلہ ہم نے اس لئے تبدیل کیا تا کہ رسول کی اتباع کرنے والے اور حکم کی مخالفت کر کے کفر کی جانب لوٹ جانے والے کھلکر سامنے آجائیں۔ اس آیت کریمہ سے قرآن مجید کا حاکمانہ طرز بیان اور حکیمانہ طرز بیان سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا شاہ صاحبؒ کے درس کی یہ ایک خاص بات ہوتی تھی کہ وہ (اسرار و حِکَم (یعنی کسی حکم کے پیچھے کیا راز اور حکمت ہے) پر بھی روشنی ڈالتے تھے۔ اس معاملے میں ان کا ایک خاص طرزِ عمل یہ بھی تھا کہ قرآن وحدیث کی شرح میں بعض مختلف احادیث میں جہاں منطقی اور فلسفی قسم کے لوگوں کی تشریحات سے تشویش پیدا ہوتی ہے وہاں اہل تصوف کی تحقیق کو اطمینان بخش قرار دیتے اس فن میں حضرت شاہ صاحبؒ کو اتنا عبور حاصل تھا کہ فرماتے تھے:

''اسرار و حکم کو بجز شیخ محی الدین ابن عربی کے سب سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ البتہ شیخ اکبر اس فن میں مجھ پر فائق ہیں'' لہٰذا اسرارِ شریعت میں شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ شعرانی کی علمی تحقیقت ہمیشہ نقل فرماتے''۔

ان تمام مذکورہ باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث میں حضرت شاہ صاحب امامُ العصر تھے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی مخصوص صلاحیتوں کی بنا پر ایک ایسی محدثین اور مفسرین کی جماعت تیار فرمائی جو اپنے عصر کی ایک بے مثال جماعت تھی اور جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں وہ کارنامے انجام دئے جو رہتی دنیا تک زندہ وجاوید رہیں گے۔ مولانا محمد از ہر شاہ قیصر صاحب نے اپنی کتاب ''یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ'' میں حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار بتائی ہے'' اتنے شاگردوں کے نام کو تحریر کرنا بھی یہ رسالہ برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ البتہ ان کے چند ایسے شاگردوں کو بتانا جنہوں نے اس برصغیر کی علمی دنیا میں لامثال کارنامے انجام دئے یہاں ذکر کرنا مناسب رہے گا اُنکے نام اس طرح ہیں:

(۱) مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ (۲) مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ (۳) مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ (۴) مولانا مفتی محمد شفی صاحبؒ (۵) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور (۶) مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

# [علم حدیث میں شاہ صاحب کی نادر تحقیق

# یعنی تواتر کی چار اقسام کا بیان کرنا]

## تواتر کسے کہتے ہیں؟

کسی حدیث جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ممکن نہ ہو۔ تواتر کہلاتا ہے۔ یہ تعریف اگرچہ حضرت شاہ صاحب سے پہلے بھی موجود تھی لیکن تمام فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے سلسلے میں ایک حیران کن اور خاص دریافت حضرت شاہؒ نے کی جس سے دین کے پورے سرمایہ کے معتبر ہونے کے بارے میں شک کرنے والوں کے دانت کھٹے ہو گئے شاہ صاحب نے اس تفصیل سے پورے دین کو متواتر ثابت کیا۔ شاہ صاحبؒ کے اس عظیم کارنامے کو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ''فتح الملہم شرح مسلم'' میں نقل کرنے کے بعد تسلیم کیا ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی نادر و مخصوص تحقیق ہے۔ جس کو اتنی بڑی تفصیل کے ساتھ اسلاف نے پیش نہیں کیا تھا۔

اس زبردست تشریح اور تحقیق کی بنیاد پر حضرت شاہ صاحبؒ کو عدالت میں مرزا غلام احمد قادیانی کی وکالت کرنے والوں کو خاموش کرنے میں زبردست مدد ملی۔ کیوں کہ ایسی احادیث کی تعداد ۱۵۰ ہے جن میں تواتر کے ساتھ یعنی پے در پے حضورﷺ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہے جن میں تقریباً تیس حدیثیں اُن چھ کتابوں میں موجود ہیں جنہیں مسلمانانِ عالم صحاح ستہ کہتے ہیں۔

## (۱) تواتر اسناد

تواتر اسناد ایک حدیث کی روایت کے اُس سلسلے کو کہتے ہیں جس میں ابتداء سے انتہاء تک روایت کرنے والے اتنی بڑی تعداد میں ہوں جن کا جھوٹا ہونا عمومی اعتبار سے ناممکن ہو۔

## (۲) تواتر طبقہ

دین کی کوئی اہم چیز جو طبقہ بہ طبقہ ہم تک پہونچی لیکن اس کے روایت کرنے والے موجود نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کہ اس کا تواتر (پے در پے صحیح ہونا) ساری دنیا میں ہمارے سامنے

تلاوت، درس، حفظ اور قرأت کی شکل میں قائم ہے۔ اس میں اسناد کی ضرورت نہیں علم فقہ کے ماہر اپنی اِصطلاح میں تواتر سے یہی تواتر مراد لیتے ہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک قرآن کا تواتر ثابت ہے اور ہر مسلمان عالم ہو یا جاہل، عامی ہو یا خواص میں سے لیکن یہ علم سب رکھتے ہیں کہ قرآن خدا کا مقدس کلام ہے جسے اس نے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا جو جس طرح نازل ہوا تھا اسی شان کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا۔ اگر کوئی شخص قرآں کے ثبوت کے لئے سند کا مطالبہ کرے تو یہ بالکل غلط ہے۔

## (۳) تواتر عمل و توارث

مثلاً شریعت کا کوئی حکم جس پر مسلمان عمل کرتے ہیں اور اس عمل کو بالکل اسی صورت میں لگاتار لوگوں کے ایک طبقہ کے گذر جانے کے بعد دوسرے طبقہ نے عملایا ہو اور وہی عمل ہم تک پہنچا ہو جس میں کسی غلطی کا بھی امکان نہ ہو مثلاً نماز اس میں ایک دفعہ یا کئی دفعہ ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھانا مسلسل حضور ﷺ کے زمانے سے اس وقت تک عملاً چلا آ رہا ہے اور امت کا جو طبقہ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو اپنا رہا ہے اس کا تسلسل زمانہ رسالت سے لے کر آج تک ہر طبقہ میں موجود ہے اپنی اس قوت کی بنا پر تواتر طبقہ کے قریب تر ہے۔ حالانکہ ناواقف لوگوں کو معلوم نہیں کہ تواترِ عمل میں اکثر اسناد کا تواتر نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنی غلط فہمی کی وجہ سے محسوس کرے گا کہ ''ضرورت دین'' میں شروع ہی سے اختلاف چلا آتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت شک و وہم سے زیادہ نہیں۔

## (۴) تواتر قدر مشترک

اس کا مطلب یہ ہے کہ چند احادیث مختلف درجات مختلف طریقوں سے ہم تک پہونچیں لیکن ان میں جو حقیقت (اصل مضمون) مذکور ہے وہ ان سب احادیث کا قدر مشترک (Commom value) ہے۔ اس قسم کے احادیث کے راوی اگر چہ تعداد کے لحاظ سے درجہ تواتر کو نہ پہنچیں مگر نفس مضمون مشترک ہونے کی بنا پر ان کا تواتر ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً معجزات کے متعلق مختلف درجات کی حدیثیں ہیں اور متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہیں لیکن

قدر مشترک اور نفس مضمون ایک ہونے کی بنا پر معجزات متواتر ثابت ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب ؒ نے تواتر کی ان چار قسموں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے پہلے تین اقسام کا انکار کرنے والا کافر ہے اور آخری قسم میں تفصیل ہے کہ اگر قدر مشترک امر بدیہی (بالکل واضح) ہے تو اس کا منکر کافر ہے اور اگر وہ نظریات میں سے ہو تو بصورت انکار کافر نہ ہوگا اس طرح مولانا انور شاہ صاحب ؒ نے پورے دین کو متواتر ثابت کیا جو ان کی ایک نادر اور اعلیٰ تحقیق ہے۔

# شاہ صاحب کا لامثال کارنامہ

# قادیانی نبوت کے طلسم کو توڑنا

حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اپنے نورِ نبوت سے قیامت تک اٹھنے والے فتنوں کی نشاندہی کی ہے ان فتنوں کا مقابلہ ہر دور میں اللہ کے پاک اور برگزیدہ بندوں نے ڈٹ کر کیا اور جس دور میں جس صاحب عزیمت شخصیت نے کسی فتنے کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھایا وہی اللہ کا بندہ اس دور کا امام ہے۔ تاریخ میں ایسی کئی شخصیات اُٹھی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں اس قسم کا فریضہ انجام دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب ؒ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں اور دینی علوم میں کمال حاصل کیا تو اس وقت ایک زبردست فتنے نے اپنے بال و پر کھولے تھے اور وہ فتنہ قادیانیت تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک نئی نبوت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی گئی اور ایک نئی شریعت کا بگل بجایا گیا۔ یہ دین اسلام کی صاف و صریح تعلیم کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی لیکن اس نام نہاد نبوت کے داعی نے اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے ہزاروں قسم کے حیلے اور بہانے تراشے اور علمی رنگ میں ایسے عنوان قائم کیے جن سے کئی لوگوں کا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ کوئی مردِ حق میدان میں اتر کر اس فتنہ کے ساتھ نبرد آزما ہو جائے۔ اگر چہ اس وقت بہت سارے علماء نے اپنی طرف سے مقدور بھر کوشش کر کے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے کوششیں کیں لیکن فتنہ چونکہ بظاہر علمی بنیادوں پر کھڑا کیا گیا تھا اور اس کے لئے علمی زبان اور نامانوس اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں اور (دام بھی ہم رنگِ زمین) تھا لہٰذا ہر شخص کا اس سے بچنا ناممکن تھا کچھ اچھے خاصے لوگ بھی اس فتنہ کا شکار ہو گئے اور اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس

صورت حال کو دیکھ کر حضرت شاہ صاحبؒ کا دل تڑپ اُٹھا جن کو قدرت نے بہت پہلے سے ان جیسے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی آغوشِ رحمت میں پالا تھا آپ نے اس فتنے کے خلاف نہ صرف اعلان جنگ کیا بلکہ علم اور یقین کے ہتھیاروں سے اس جھوٹی نبوت کا قلع قمع کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ چونکہ اس فتنے کی پشت پر برطانوی مچھیروں کا ہاتھ تھا لہٰذا اس کے سد باب کیلئے ایک انجمن کی ضرورت تھی اور وقت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ وہ انجمن بھی کوئی رسمی انجمن نہ ہونی چاہیے بلکہ علم کے ہتھیاروں سے لیس ہونی چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام حضرت شاہ صاحبؒ سے لینا تھا لہٰذا وہی اس دور کے امام ٹھہرے۔ ان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فتنے کو مٹانے کے لئے ایسی فکر دامنگیر کی تھی جس کا اظہار ان کے ان عربی اشعار سے ہوتا ہے

صدع الصدیع و صیحۃ بالوادی    لمن اھتدی من حاضر او بادی

کھلے میدان میں بر سر عام اعلان ان کے لئے ہے جو راہِ ہدایت پر ہیں خواہ شہری ہوں یا دیہاتی۔

بالکادیانی ذالک الآخر الذی    امسی زعیم الکفر والا لحاد

کہ ذلیل قادیانی جو کفر والحاد کا گھنٹال بن گیا ہے

و أبان عن کفر ینوء بعصبۃ    ویبوء بالأغلال والأصفاد

اس نے ایسا کفر ظاہر کیا ہے جس کا تحمل ایک جماعت سے بمشکل ہو سکے گا۔ انجام کار وہ بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔

## اکفار الملحدین حضرت شاہ صاحبؒ کی بے قراری کا ایک عکس

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب قادیانی نبوت کا علمی محاسبہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اگر اس کا بروقت تدارک نہیں کیا جائے تو آگے چل کر یہ ایک لاعلاج مرض کی شکل اختیار کرے گا اور دین کے منارے (اونچے ستون) گر پڑیں گے۔ قرآن حکیم میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین اور احادیث میں اس کی جو بھرپور وضاحت آتی ہے اس کو بڑے شاطرانہ انداز میں اپنے اصل مفہوم سے بدل کر خوبصورت الفاظ کی بندش کے ساتھ بدلنے کی جو ناپاک کوشش مرزا نے کی وہ اس مفہوم کے بالکل برعکس ہے جو چودہ سو سال سے مسلمان علماء

اور دانشور سمجھتے آئے ہیں اور وہ اتنا واضح ہے کہ اس کا انکار کرنا دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ لن تجتمع امتی علیٰ الضلالۃ (میری امت ہرگز گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی ہے) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ امت ایک ایسی بات کے سمجھنے میں اس وقت تک قاصر رہی اور اب کئی صدیاں گذر جانے کے بعد ایک غیر اہل زبان نے اس کو سمجھا اور وہ بھی اس دعویٰ کے ساتھ کہ نئی نبوت اس کو ہی مل گئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر شاہ صاحب ؒ جیسے حساس طبیعت کے رکھنے والے کا بے قرار ہونا ایک طبعی امر تھا وہ بے قرار ہوئے اور اس بے قراری کا اظہار درج ذیل اشعار میں کیا جو اہل دل کو تڑپانے کے لئے ایک زبردست پیغام ہے۔

أَلَا يَا عِبَادَ اللهِ قُوْمُوْا وَقُوْمُوْا
خُطُوْباً أَلَمَّتْ مَا لَهُنَّ يَدَانِ
وَقَدْ كَادَ يَنْقَضُ الْهُدیٰ وَمَنَارُهٗ
وَزُحْزِحَ خَيْرٌ مَا لِذَاكَ تَدَانِ
يُسَبُّ رَسُوْلٌ مِّنْ أُولِي الْعَزْمِ فِيْكُمْ
تَكَادُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تَنْفَطِرَانِ
وَحَارَبَ قَوْمٌ رَبَّهُمْ وَنَبِيَّهٗ
فَقُوْمُوْا لِنَصْرِ اللهِ إِذْ هُوَ دَانِ
وَقَدْ عِيْلَ صَبْرِيْ فِيْ انْتِهَاكِ حُدُوْدِهٖ
فَهَلْ ثَمَّ دَاعٍ أَوْ مُجِيْبٌ أَذَانِيْ
وَإِذَا عَزَّ خَطْبٌ جِئْتُ مُسْتَنْصِراً بِكُمْ
فَهَلْ ثَمَّ غَوْثٌ يَا لَقَوْمِ يُدَانِيْ
لَعَمْرِيْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِماً
وَأَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهٗ أُذُنَانِ

وَ نَادَيْتُ قَوْماً فِيْ فَرِيْضَةِ رَبِّهِمْ

فَهَلْ مِنْ نَصِيْرٍ لِّيْ مِنْ أَهْلِ زَمَانِ

دَعُوْا كُلَّ أَمْرٍ وَّاسْتَقِيْمُوْا لِمَا دَهَىٰ

وَقَدْ عَادَ فَرْضُ الْعَيْنِ عِنْدَ عَيَانِ

أَلَا فَاسْتَقِيْمُوْا وَاسْتَهِيْمُوْا لِدِيْنِكُمْ

فَمَوْتٌ عَلَيْهِ أَكْبَرُ الْحَيَوَانِ

وَعِنْدَ دُعَاءِ الرَّبِّ قُوْمُوْا وَشَمِّرُوْا

حَذَاراً عَلَيْكُمْ فِيْهِ أَذْرُ حَذَانِ

فشانی شان الانبياء مكفر

ومن شك قل هذا الاول ثان

ترجمہ

(۱) اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ان فتنوں کے کس بل (قوت وطاقت) نکال دو، جو ہر جگہ چھا رہے ہیں اور جن کے برداشت کرنے کی تب وتاب نہیں رہی۔

(۲) ان فتنوں کی شدت سے ہدایت کے نشانات مٹا چاہتے ہیں، خیر وصلح سمٹ رہی ہے اور پھر اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں بن پڑے گی۔

(۳) ایک اولوالعزم رسول (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کو تمہارے سامنے گالیاں دی جارہی ہیں قریب ہے کہ قہر الٰہی سے زمین وآسمان پھٹ پڑیں۔

(۴) ایک ناہنجار قوم (مرزائیوں) نے اپنے رب اور اس کے نبی ﷺ سے لڑائی چھیڑ رکھی ہے پس اللہ کی مدد کے بھروسے پر اُٹھو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔

(۵) حدود اللہ کو توڑتے دیکھ کر صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ پس کیا اس بھری دنیا میں کوئی حدود الٰہی کے تحفظ کے لئے پکارنے والا یا دعوت پر لبیک کہنے والا ہے۔

(۶) اور جب مصیبت حد برداشت سے نکل گئی تب میں نے مدد کے لئے تمہارے دروازے پر دستک دی۔ پس اے قوم! کیا کوئی فریادرس ہے جو آگے بڑھ کر میرے دکھ درد میں شریک ہو جائے۔

(۷) بخدا میں ان لوگوں کو جو خواب غفلت میں مست تھے۔ بیدار کر چکا ہوں۔ اور ایسے شخص کو جسے قدرت نے سننے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، سنا چکا ہوں۔

(۸) اور میں قوم مسلم کو ان کے رب کی جانب سے عائد شدہ فریضہ کے سلسلہ میں پکار چکا ہوں، پس کیا اہل زمانہ میں کوئی شخص میری مدد کو اُٹھے گا؟

(۹) سب کچھ چھوڑ کر اس فتنہ عظمیٰ کے مقابلہ میں کمر بستہ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اس فتنہ کا مشاہدہ ہو جانے کے بعد اس کا استیصال ہر شخص پر فرض ہو گیا ہے۔

(۱۰) ہاں اُٹھو! اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے دیوانہ وار جان کی بازی لگا دو۔ بخدا! دین کی خاطر جان دے دینا ہی سب سے اعلیٰ اور اشرف زندگی ہے۔

(۱۱) اور جب تحفظ دین کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے پکارا جا رہا ہے تو دیر کیوں کرتے ہو اُٹھو اور کمر ہمت چست باندھ لو، راستے میں تم پر رحمتوں پر رحمتیں نازل ہونگی۔

(۱۲) انبیاء علیھم السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا قطعاً کافر ہے۔ اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے تو صاف کہہ دو یہ بھی پہلا کا دوسرا ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الرشید صفحہ ۶۸۹-۶۹۰)

## دام ہمرنگ زمین تھا

قادیانی فتنہ کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ اتنے متفکر کیوں تھے؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے، جو کسی شاعر نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے

دام ہم رنگ زمین بود و گرفتار شدم

ترجمہ:۔ ایک شخص جال میں پھنس جانے کے متعلق یہ وجہ بیان کرتا ہے کہ میں اس لئے جال میں پھنس گیا کیوں کہ جال (جو زمین پر بچھایا گیا تھا) کا رنگ زمین جیسا ہی تھا مرزا غلام احمد قادیانی نے وہی الفاظ اور اصطلاحات استعمال کیں جو ہماری مذہبی کتابوں میں بہت پہلے سے موجود تھیں البتہ اس نے ان کے معنی اور مطلب میں ایسی

ترمیم کی کہ ظاہری اعتبار سے وہ ساری باتیں لوگوں کو مذہبی اور مانوس لگتی تھیں لیکن اس تشریح اور وضاحت سے دین اور دینی اصطلاحات کا مفہوم اور مطلب ہی بگڑ جاتا تھا اور ان الفاظ اور اصطلاحات سے دین اگر لفظی اعتبار سے دین دکھائی دیتا تھا لیکن معنوی (حقیقی اعتبار سے کھوکھلا ہو جاتا تھا)۔

مثلاً غلام احمد قادیانی یہ بھی کہتا ہے کہ حضورﷺ آخری نبی ہیں اور میں ان کا ''بروز'' ہوں۔ یہ ایک نئی اور عجیب اصطلاح اُس نے گھڑ لی۔ اس کا مطلب وہ یہ بیان کرتا تھا کہ میں حضورﷺ کا ایک آئینہ ہوں جس طرح آئینہ میں شکل ہو بہو نظر آتی ہے لیکن وہ وجود کے اعتبار سے اصلی شکل کا عکس ہوتی ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ اگرچہ اصلی خاتم النبیین ہیں تو میں ان کا عکسی خاتم النبیین ہوں۔ جب اس نے صاحب شریعت نبی کی طرح دین اور شریعت میں کانٹ چھانٹ کی اور جہاد کو حرام قرار دیا اور نصاریٰ کی غلامی اور وفاداری کی وکالت کی۔ مکہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے اور پنجاب کے قادیان کو مکہ کے مقابلہ میں اور قادیان کی مسجد کو بیت المقدس کی مسجد کے مترادف ٹھہرایا تو یہ نبوت صادقہ کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی لہٰذا حضرت شاہ صاحبؒ کا انتہائی بے قرار ہونا ایک قدرتی بات تھی کیوں کہ وہ دین کے الفاظ کے ماہر ہی نہیں تھے بلکہ معنیٰ اور مفہوم کے میدان کے شہسوار بھی تھے۔ جہاد کو موجودہ زمانہ میں مرزا نے ان الفاظ میں حرام قرار دیا۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
اب دین کے لیے حرام ہے جنگ وقتال
اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے
اب دین کی تمام جنگوں کا اختتام ہے

اس کے جواب میں علامہ اقبالؒ کی یہ نظم ایک شافی وکافی جواب ہے :

## جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا، یہ زمانہ قلم کا ہے
دین میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
تیغ وتفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل — کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر

تعلیم اس کو چاہیئے ترکِ جہاد کی — دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے — یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے — مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات — اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگذر

اس نظم کا مفہوم یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کو خوش کرنے کیلئے یہ فتویٰ دیا تھا کہ یہ زمانہ قلم کا ہے، تلوار کا نہیں۔ تلوار اس زمانے میں کام کی چیز نہیں رہی لہٰذا اسے ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ صرف قلم سے اسلام کی اچھائیاں بیان کرنی چاہئیں۔ جہاد کا اس زمانے میں نام لینا مناسب نہیں۔ علامہ اقبالؒ مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تجویز پر جواب دے رہے ہیں کہ مرزا صاحب کو کیا یہ بات معلوم نہیں ہے کہ مسجدوں میں اس قسم کی تقریر یا نصیحت کرنا بے فائدہ بھی ہے اور بے اثر بھی کیوں کہ مسلمان صحیح مسلمان نہیں رہا۔ ایسی نصیحت کرنا اس لئے بھی بیکار ہے کہ مسلمان کے پاس اب نہ تلوار ہے نہ بندوق وہ ہر قسم کی فوجی طاقت سے محروم ہے۔ فرض کرلیں کہ تلوار اور بندوق مسلمان کے ہاتھ میں بھی ہو تب بھی وہ اسے استعمال نہیں کرے گا کیوں کہ اس کا دل موت کی لذت سے بے بہرہ ہے۔ جس مسلمان کا دل کسی کافر کی موت پر کانپ اُٹھتا ہے اسے یہ کہنا کہ اللہ کے راستے میں مسلمان کی حیثیت سے مر، بے فائدہ ہے۔ کیوں کہ جو دوسروں کو مرتا ہوا دیکھ کر کانپ اُٹھا ہے وہ خود مرنے کے لئے کب تیار ہوگا۔ جب مسلمانوں کے پاس کسی قسم کی فوجی قوت ہی نہیں ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمانوں کے بجائے اُن کو (ترکِ جنگ) کی نصیحت کرنی چاہیے جن کے پاس بے اندازہ فوجی قوت ہے اور جن کے ظالمانہ ہاتھ کمزور قوتوں کے خون سے رنگین ہیں۔ مراد یہاں مغربی اقوام سے ہے۔ یورپ والوں نے باطل یعنی جھوٹ کی شان و شوکت اور دبدبہ کی حفاظت کے واسطے اپنے آپ کو کندھے سے کمر تک زرہ پوش کر رکھا ہے۔ یعنی وہ پوری طرح حق کے مقابلے میں باطل کی حفاظت کے لئے فوجی طاقت جمع کر رہے ہیں۔ ترکِ جنگ کی نصیحت ہمارے نام نہاد راہنماؤں کو یورپ والوں کو کرنی چاہیے نہ کہ مسلمانوں کو جن کے پاس کوئی فوجی ساز و سامان یا طاقت نہیں ہے بلکہ ایمانی طاقت بھی کھو بیٹھے ہیں۔ ان حالات میں جب یورپ پوری طرح فوجی ساز و سامان سے آراستہ ہے اور مسلمان نہتا اور بے طاقت ہے، ہم ان نام نہاد مذہبی راہنماؤں سے جنہوں نے

جہاد کے خلاف فتویٰ دیا ہے پوچھتے ہیں کہ اگر جنگ اہل مشرق (مثلاً براعظم) ایشیا وغیرہ کے لئے بری ہے تو اہل مغرب (یعنی یورپ) کے لئے بری کیوں نہیں ہے؟ چونکہ یہ راہنما عیسائی نواز ہیں اس لئے وہ اہل مغرب کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتے۔ اگر ان نام نہاد مذہبی راہنماؤں (خاصکر مرزا غلام احمد قادیانی) کی غرض سچ بات کہنا ہے تو کیا ان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اس یورپ کو تو معاف کردیں جو سر بہ سر فوجی طاقت بنا ہوا ہے اور مسلمانوں سے پوچھ گچھ کریں جن کے پاس کوئی فوجی قوت نہیں ہے اور ان کو جہاد ترک کرنے کی نصیحت کریں۔ حالانکہ ایسا انہیں اہل یورپ کو کہنا چاہیئے جنہوں نے اپنی فوجی قوت کی بنا پر کمزور قوموں کے خون سے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان کو جو جاگیر انگریزوں نے عطا کی تھی اور انہوں نے اس کے بدلے وقتاً فوقتاً انگریزوں کی جو حمایت کی تھی اسی پس منظر میں وہ انگریزوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے اور اپنے زور قلم سے جہاد جیسے عظیم اسلامی عمل سے مسلمانوں کو روک رہے تھے حالانکہ وہ اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے اس صفت سے خود ہی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ جہاد دراصل دوسروں پر ظلم کرنے کے عمل کا نام نہیں ہے بلکہ ظالم کو ظلم سے روکنے اور راہ حق پر لانے کے لئے ایک مقدس عمل ہے۔ جس سے دنیا کے اندر امن و انصاف کا نظام قائم ہو سکتا ہے مرزا غلام احمد نے تحریف دین کر کے اپنے اس طرز عمل سے اس مبارک عمل (یعنی جہاد) کو ایک گھناونا عمل ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کی ساری مذہبی عمارت کو گرانے کے لئے مسلمانوں کے چودہ سو سال سے جاری اس عقیدے کو پاش پاش کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اُٹھا کر نہیں لیا گیا بلکہ وہ اپنی طبعی موت مر چکے (نعوذ باللہ)۔ وہ اب آنے والے امام مہدی کے دور میں آسمان سے اتر کر دین محمدی کی حمایت کرنے کے لئے نازل نہیں ہوں گے بلکہ جس مہدی کا مسلمانوں کو انتظار ہے اور جس عیسیٰؑ کی آمد کی امید لگائے بیٹھے ہیں وہ سب کچھ میں ہی ہوں۔ اس سلسلے میں اس نے ادب کے دامن کو بھی پھاڑ ڈالا اور عیسیٰؑ کی شان میں ایسے ناشائستہ الفاظ کہہ ڈالے جو ان کی شان کے بالکل مخالف ہیں مثلاً مرزا کا ایک شعر ملاحظہ کریں ۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ و

اس سے بہتر غلام احمد اس ہے

## حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی پر انگریز کیوں خاموش رہے؟

ایسی ناشائستہ زبان پر انگریز کیوں خاموش رہے: مرزا نے جو ناشائستہ زبان حضرت عیسیٰؑ کے متعلق استعمال کی

انگریز اس سے کیوں نہیں چوکے اور انہوں نے اس کی نوٹس کیوں نہیں لی۔اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ انگریز کو ان باتوں کا کوئی غم نہیں اُسے مادۃ **(Material)** چاہئے اور اس کے حصول میں وہ جہاں چاہے اپنا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے اور ہاتھ بڑھانے کے سلسلے میں حیلے اور بہانے تلاش کرتا ہے اور اس کاروائی میں وہ غریب اقوام کی طرف سے کوئی مزاحمت بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔اگر وہ اس کے خلاف کوئی آواز اُٹھائیں یا عملاً رکاوٹ بن جائیں تو ان کے اس فعل کو وہ جہاد کے بجائے دہشت گردی کا نام دیتا ہے۔وہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک بلا شرکت غیرے مالک بننا چاہتا ہے چاہے وقت آنے پر اس کو تمام اخلاقی ضابطوں کی دھجیاں ہی کیوں نہ اڑانی پڑیں اور اپنے ان گھناونے عزائم کو پورا کرنے کے لئے اس سے چند مذہبی لوگوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے جنہیں نہایت ہی محتاط اور ہوشیار طریقے سے خریدنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے ذریعے سے دین کی غلط تشریح کروا کر اپنا خصوصی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ورنہ اسلام اپنے ماننے والوں کو غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ رہنے کے بہترین ضوابط بھی سکھاتا ہے اور بے مقصد جنگ اور لڑائیوں سے بھی منع کرتا ہے۔اور ظلم کے خلاف مقدس جنگ کی تعلیم بھی دیتا ہے کہ ایسا کرنا ضابطہ خداوندی کے عین مطابق ہے

## مقدمہ بہاولپور

## جعلی نبوت پر کاری ضرب

انگریزوں کے پروردہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا زیادہ سے زیادہ زور دو کاموں پر صرف کیا ایک ختم نبوت کا انکار اور دوسرا قیامت تک جہاد کی فرضیت سے انکار۔اسی طرح کا ایک فتنہ انگریزوں نے ایران میں بھی علی محمد باب اور بہاؤاللہ کے ذریعے کھڑا کیا چونکہ ایران میں ایک مسلم سلطنت موجود تھی جس نے علی محمد باب کو سزائے موت دی اور بہاؤاللہ کو جلاوطن کیا۔لیکن ہندوستان میں ایسا کوئی امکان نہیں تھا کیوں کہ یہاں انگریز بذات خود حکومت کرتے تھے۔یہاں پر اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کیلئے سارا بوجھ علمائے کرام پر پڑا جنہوں نے اس فتنے کا مقابلہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو اپنی زندگی کا ایک خاص موضوع بنایا حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی اس فکر و تشویش میں علامہ اقبالؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کو بھی اپنا شریک و سہیم بنایا اور پھر وقت آنے پر ایک مسلم ریاست کی مسلم عدالت میں اپنے قوی دلائل سے اس شخص کو اسلام کے دائرہ سے خارج ثابت کیا جو اپنی نبوت کو منوانے کے لئے انگریزوں

کے سایہ میں پناہ لیتا رہا۔

## قصہ بہاولپور کی عدالت میں مرزائیوں کی شکست کا

ایک عورت تھی جسکا نام مسماۃ غلام عائشہ تھا۔اس کا خاوند عبدالرزاق مرزائی بن گیا عورت نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ چونکہ اس کا خاوند مرزائی یا قادیانی بن گیا ہے۔لہٰذا اس کے نکاح کو عدالت توڑ دے ۔مقدمہ ۱۹۲۶ء میں دائر کیا گیا اور ۱۹۳۵ء میں تقریباً دس سال کے بعد اس کے متعلق عدالت نے فیصلہ صادر فرمایا۔۱۹۳۲ء میں جب کہ مقدمہ آخری مراحل سے گذر رہا تھا۔عدالت نے علماء اسلام کی شہادت طلب کی تا کہ عدالت ان کی رائے جان کر حتمی فیصلہ صادر کرے۔علماء اسلام نے اپنی شہادت مرازئیت کے رد میں پیش کی اور پھر ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو عورت کے حق میں اپنا فیصلہ سنایا۔

## اس مقدمہ میں شاہ صاحبؒ کا رول کیا رہا؟

شاہ صاحبؒ کی زندگی میں اس مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا۔کیوں کہ شاہ صاحبؒ نے ۱۹۳۳ء میں انتقال فرمایا۔البتہ شاہ صاحبؒ نے جن مضبوط دلائل کے ساتھ عدالت میں مرزائیت کے خلاف شہادت پیش کی وہ ایک کرامت سے کم نہیں تھی۔

شاہ صاحبؒ نے عدالت میں جج صاحب کے سامنے ان بنیادوں کو علمی دلائل کے ساتھ بیان کیا جن کی بنا پر کسی کو اسلام کے دائرہ سے خارج تصور کیا جائے گا۔دین کو قائم رہنے کے لئے یا قائم رکھنے کے لئے جن بنیادی اور لازمی باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ان ہی کو ضروریات دین کہتے ہیں اگر ان بنیادوں کو یا ان میں سے کسی ایک بنیادی ضرورت کا انکار کیا جائے گا تو دین قائم نہیں رہ سکتا ۔اور انکار کرنے والا کافر قرار پائے گا۔اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے تواتر کے ان چار اقسام کو عدالت میں کھول کر بیان کیا جن کا تذکرہ ہم نے ''شاہ صاحبؒ کی نادر تحقیق '' کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ان چار قسموں میں سے ایک نام تواتر توارث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس عقیدے کو ایک نسل نے دوسری نسل سے لیا ہو مثلاً تمام امت کا اب تک لگاتار یہ عقیدہ رہا ہے کہ

# "حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"

اس تواتر کا انکار بھی کفر ہے۔قرآن میں جو حضور ﷺ کے متعلق لفظ خاتم النبیین آیا ہے اس کا اور دیگر کتب احادیث میں آئے ہوئے ڈیڑھ سو احادیث کے علاوہ صحاح ستہ کی تیس احادیث کا یہ مطلب صاف اور واضح ساری امت نے آنحضور ﷺ کے زمانہ سے آج تک یہی سمجھا ہے کہ وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی بحیثیت نبی نہیں آئے گا ہاں حضرت عیسیٰؑ جب آئیں گے تو وہ کوئی نیا نبی نہیں ہوگا وہ تو آنحضرت ﷺ سے پہلے ہی نبی بنائے گئے تھے لہٰذا وہ کوئی نیا نبی نہیں ہوگا اور کسی نئی شریعت کو نہیں لائے گا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے ایک امتی اور مجدد کامل کے تعاون کے لئے اور دجال کو قتل کرنے کے لئے آئے گا۔چونکہ مرزا نے اس "تواترِ توارث" کا عملاً انکار کیا ہے۔لہٰذا اگر اس قسم کے تواتر کے انکار کرنے والے کو کافر نہ کہیں گے تو اسلام کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر بھی عدالت کو توجہ دلائی کہ متواترات میں تاویل اور ان کے مطالب کو مسخ کرنا بھی کفر ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانی لٹریچر سے وہ حوالے بھی پیش کئے جن سے قادیانیوں کا ضروریات دین میں تاویل کرنے کا جرم نمایاں ہوتا ہے۔فرمایا کہ قادیانی لٹریچر متواترات دین کے انکار سے لبریز ہے۔ "نقش دوام" میں ایک مختصر فہرست بھی دی گئی ہے جس میں مرزا کے متواترات دین کے انکار کو پیش کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں:۔

(۱) ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معانی کی تحریف

(۲) دعویٰ نبوت اور غلام احمد کی طرف سے اسکی تصریح کہ میری نبوت انبیائے سابقین کی نبوت کی مثل ہے۔

(۳) قادیانی کا خود پر وحی کے نزول کا دعویٰ اور یہ کہ میری وحی قرآن کی طرح واجب الایمان ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰؑ کی مسلسل توہین (درآنحالیکہ وہ جلیل القدر نبی تھے)۔

(۵) آنحضرت ﷺ کی مسلسل اہانت (والعیاذ باللہ)

(۶) اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

عدالت نے مرزائیوں کے خلاف یہ فیصلہ شاہ صاحبؒ کی وفات کے ٹھیک تین سال بعد دیا۔لیکن شاہ صاحبؒ کو قادیانیت کی تردید میں جو دلچسپی تھی۔اسی کی بنا پر آپ نے بعض تلامذہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر فیصلہ میری وفات کے بعد ہو جائے اور اس مقدمہ میں مرزا اور اس کے متبعین کو کافر تسلیم

کرلیا جائے تو فیصلہ کی اطلاع میری روح کی تسکین کی خاطر میری قبر پر آ کر دی جائے۔

(دیکھو نقش دوام صفحہ ۱۹۰)

## حضرت شاہ صاحب کا سیاسی نقطہ نگاہ

## دارالعلوم دیوبند سے اُٹھنے والی مختلف تحریکوں کی روئیداد

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۳ مئی ۱۸۶۸ء کو ڈالی گئی۔ اس کا مقصد علوم دین کو ترویج دینا، عالم باعمل، روشن ضمیر محقق، معقولات ومنقولات کے ماہر پیدا کرنا مزید برآں ان میں جہاد کی سپرٹ پیدا کرنا مدنظر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم کے مدنظر آزادیٔ ہندوستان کا منصوبہ بھی تھا۔ انہوں نے اپنے شاگردوں میں ان حریت پسند جذبات کا صُور پھونکا۔ چنانچہ دارالعلوم کے تعلیمی سفر کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً کئی ایسی انجمنیں بھی بنائی گئیں جنہوں نے مختلف ادوار میں اپنی سرگرمیوں سے دارالعلوم کے پس پردہ منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عملی اقدامات اٹھائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے جو انجمن وجود میں آئی اس کا نام انجمن ثمرۃ التربیت تھا۔

### انجمن ثمرۃ التربیت

اس انجمن کا قصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فُضلاء نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے زمانے میں دارالعلوم کی مالی اعانت اور ہر قسم کی امداد کے لئے متحد ہو کر مولانا کی خدمت میں درخواست پیش کی اور انہوں نے اس درخواست پر اپنی سفارش لکھی اور مجلس شوریٰ میں یہ درخواست پیش کی۔ مجلس شوریٰ کے ارکان نے ان حضرات کی درخواست کو قبول فرمایا اور سالانہ چندہ دینے والے ان حضرات کی اس انجمن کا نام حضرت نانوتویؒ نے ثمرۃ التربیت اور ثمرۂ خلوص نیت قرار دیا۔ یہ درخواست ۱۸۷۸ء میں جن تعلیم سے فارغ ہوئے طلباء نے دی تھی اُن کی تعداد رسالہ الرشید میں ۱۹ دکھائی گئی ہے دیوبند سے فارغ شدہ یہ علماء حضرات چندہ ادا کرتے رہے اور دارالعلوم کی امداد میں سرگرم رہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کا دور آیا۔ ان کی کوشش سے اس ثمرۃ التربیت۔ نے جمعیۃ الانصار کی شکل اختیار کی۔

## جمعیۃ الانصار کا قیام

جب مولانا محمود حسن صاحبؒ (جن کو شیخ الھند بھی کہتے ہیں) دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس بن گئے تو صدر بننے کے دو سال بعد ان کی تحریک پر "جمعیۃ الانصار" قائم کی گئی۔ یہ انجمن ۲۷ رمضان ۱۳۲۷ھ کو قائم کی گئی۔ اس کے سیکریٹری مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ بنائے گئے جو سکھ مذہب کو چھوڑ کر مسلمان بن گئے تھے اور دارالعلوم میں علم دین بھی حاصل کیا تھا۔ اس انجمن کے مختلف شعبے قائم کئے گئے جن کی تفصیل اس طرح تھی:

(۱) اعلیٰ فکر و نظر کی کتابوں کی تدریس

(۲) تبلیغ کا اعلیٰ پیمانے پر کام

(۳) ہندوستان کے مختلف شہروں میں عظیم الشان جلسے

(۴) فراغت علم کے بعد درجۂ تکمیل

بظاہر لگتا تھا کہ اس انجمن کا مقصد تبلیغ و اشاعت دین ہے لیکن اس پوری سکیم پر غور و خوض کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پس پردہ جو جذبہ کار فرما ہے اس کا مقصد انگریزوں کی حکومت کے خلاف ایسے حالات اور ایسی فضا پیدا کرنی ہے جس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی کھوئی ہوئی حکومت پھر بحال ہو جائے۔

مولانا محمود صاحب کمزور جسم والے تھے لیکن سیاست میں بے حد ماہر تھے وہ چاہتے تھے کہ انگریز کو ملک سے باہر نکال کر اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ جتنے طلباء افغانستان اور صوبہ سرحد سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے تو شروع سے ہی ان کو انگریز کے خلاف جہاد کرنے کا سبق پڑھایا جاتا تھا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جب شیخ الھندؒ نے اپنے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو افغانستان بھیجا تو وہاں پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ ثمرۃ التربیت سے جمیعۃ الانصار تک کا سارا منصوبہ آزادی کا منصوبہ تھا۔ اس انجمن کے تحت جتنے جلسے مرادآباد، میرٹھ، شملہ وغیرہ میں ہوئے تھے ان کو موتمر الانصار مرادآباد، موتمر الانصار میرٹھ، موتمر الانصار شملہ کے نام سے کتابوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جدید عربی زبان میں موتمر بڑے جلسے اور کانفرنس کو کہتے ہیں حالانکہ موتمر فرمانبردار اور مشورہ کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

## جمعیۃ الانصار کو نظارت المعارف میں تبدیل کرنا

اس تنظیم (جمعیۃ الانصار) نے ہندوستان کے عالموں، لیڈروں اور صاحب اقتدار طبقہ میں ایک جوش

پیدا کیا اور اس طرزِ عمل سے شیخ الھند محمود حسن صاحبؒ جذبہ آزادی کو بام عروج پر پہنچانا چاہتے تھے۔ اس تنظیم کے جلسوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی۔ چونکہ یہ ساری کاروائی برطانوی حکومت کے زیر سایہ ہورہی تھی لہٰذا اس کو مذہبی آزادی کے شکریئے کے تار بھیجے گئے۔ لیکن اندر سے حکومت ان جلسوں سے چونکی تھی وہ جانتی تھی کہ اس مدرسہ کے بانی مولانا قاسم صاحبؒ انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شاملی کے میدان میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا اور انہی کے نقش قدم پر شیخ الہند چل رہے تھے۔ چنانچہ جب آپ حج کرنے کے لئے مکہ چلے گئے تو انگریزوں نے وہاں شیخ الہند محمود حسنؒ کو گرفتار کرایا اور پھر مالٹا بھیجا جہاں آپ کئی سال تک نظر بند رہے اور پھر رہائی کے بعد دیوبند تشریف لائے۔ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ آزادی کے پہلے علمبردار تھے۔ یہ ۱۹۱۶ء کا زمانہ تھا۔ اور مولانا عبیداللہ سندھی دیوبند سے افغانستان چلے گئے تھے۔ لہٰذا شملہ کے جلسہ کے بعد جمیعۃ الانصار کا کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

یہ ساری تحریکیں حضرت شاہ صاحبؒ کی موجودگی میں اُٹھیں اور پھر ان تمام تحریکی سرگرمیوں کا مشاہدہ آپ بذات خود فرما رہے تھے۔ انگریزوں نے اپنی خفیہ رپوٹوں میں آپ کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی تحریک کا بنیادی شریک قرار دیا ہے۔ مولانا انظر شاہ صاحب نے نقش دوام میں لکھا ہے کہ کہ ثقہ طور پر معلوم ہوا ہے کہ آزادئ وطن تک دیوبند کے قرب وجوار میں جو خانقاہیں تعمیر باطن کا کام کر رہی تھیں ان میں خفیہ بیعت جہاد بھی لی جاتی تھی پھر لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اگرچہ قید وبند کی صعوبتوں سے محفوظ رہے اور سیاسی زندگی میں کوئی ان کا نمایاں کردار بھی نہیں رہا تاہم حریت پسندوں کے جم غفیر میں انہیں شمار کرنے کی مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔ شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی پولیس نے دار وگیر کا ہنگامہ برپا کیا تو ایک روز مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے بھی رہائشی کمرہ پر دوش پہنچنے والی تھی لیکن قبل از وقت انکشاف کی بنا پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس تمام ریکارڈ کو نذر آتش کردیا جس پر قبضہ کی صورت میں حضرت شیخ الہند کے باغیانہ عزائم کے مضبوط شواہد فرنگی اقتدار کے ہاتھ آتے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے ان جذبات کی مکمل اخفاء کوششوں کے باوجود کبھی کبھی درس میں بے اختیار فرماتے کہ "مجھے کچھ نہیں چاہیے بجز ایک چائے کی پیالی دو بسکٹ اور ایک تلوار جس سے میں اعلاء کلمۃ اللہ کا کام لوں"۔

"یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ" نامی کتاب میں مولانا ازہر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ صاحبؒ

کوسیاسیات سے بھی گہرا تعلق تھا۔ جمعیۃ الانصار ہند کے اجلاس پشاور منعقدہ ۱۳۴۵ھ کی آپ نے صدارت فرمائی اور عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جمعیۃ الانصار ہند کے آپ ہمیشہ ہمدرد اور سرپرست رہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حفظ الرحمان، مولانا عبدالمنان ہزاروی، مولانا غوث سرحدی آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور آپ ہی کے ارشاد پر یہ حضرات سیاسیات میں شریک ہوئے۔

تحریک حریت کشمیر سے بھی حضرت ممدوح کو خاص دلچسپی تھی۔ جب کبھی آپ اپنے وطن کشمیر تشریف لاتے تو اس تحریک آزادی کے علم برداروں سے اپنی ہمدردی اور وابستگی کا اظہار فرماتے، مولانا محمد سعید صاحب مسعودی کے واسطے سے قائد کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے بھی ایک دفعہ حضرت مرحوم سے خط و کتابت فرمائی تھی" (جبکہ مسلم کانفرنس موجود و قائم تھی)۔ (دیکھو صفحہ نمبر ۸ اور ۹ مذکورہ کتاب کا)

بہرحال حب وطن، قومیت، آزادی وطن، اور اسی نوع کی دوسری باتوں کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کا کیا نظریہ تھا اس کے لئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے جس کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں ہے۔

البتہ ایک واقعہ تحریر کرنا مفید رہے گا کہ جب محمود حسن صاحب مالٹا سے رہا ہو کر واپس تشریف لائے۔ تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا۔ قرار پایا کہ یہ مسئلہ حضرت شاہ صاحبؒ سے تحریر کرایا جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہند کی خدمت میں سنایا۔ مولانا لائلپوریؒ فرماتے ہیں کہ صرف دس سطور تھیں لیکن ایسی جامع مانع کہ حضرت شیخ الہند نہایت محظوظ ہوئے، نیز ایک جگہ لکھا ہے کہ شیخ الہند نے اس خیال سے کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ سے انگریز کی موالات (دوستی) ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کرلیا۔

(بحوالہ الانور از عبدالرحمان کوندو صفحہ ۴۸۸، ۴۸۹)

## حدیث اور فقہ

تمام اہل علم جانتے ہیں کہ حدیث آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا نام ہے۔ یہاں پر ہم اس کی مختلف اقسام پر بحث نہیں کریں گے۔ البتہ حدیث اور فقہ کے درمیان جو رشتہ ہے اس کا بیان کرنا مقصود ہے۔ حدیث اور فقہ کے درمیان وہی رشتہ ہے جو دودھ اور مکھن کے درمیان ہے۔ مکھن دودھ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے اگرچہ نچوڑنے کے بعد اس کی الگ ہیئت بن جاتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ سارا مکھن اسی دودھ میں چھپا ہوتا ہے۔ اہل فہم

کے نزدیک مکھن دودھ کا مخالف نہیں اور دودھ مکھن کا مخالف نہیں۔ لیکن جس طرح دودھ سے مکھن حاصل کرنے کے لئے ایک ماہر آدمی کی ضرورت ہوتی ہے، جس نے دودھ سے مکھن نکالنے کا فن سیکھا ہو اسی طرح حدیث سے فقہ مرتب یا تشکیل دینے کے لئے ایک ماہر عالم کی ضرورت ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کارِ خیر کا افتتاح جس ہستی نے سب سے پہلے ایک منظم طریقے سے کیا ساری دنیا اس کو "امام اعظم" کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت بھی ہے کہ دنیا کے اندر جن لوگوں نے عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں ان کو سنگین آزمائشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا یہی معاملہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ساتھ بھی پیش آیا جن کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے اور جو مشہور روایات کے مطابق ۸۰ ہجری میں اور مصر کے مشہور عالم رشید رضا مصری کے مطابق ۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ مبارک زمانہ تھا جب چھ (۶) صحیح کتب احادیث کے ترتیب دینے والے حضرات اس دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ اس وقت تک احادیث کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ لوگ ویسے ہی ایک دوسرے کو محتاط انداز میں بیان کرتے تھے اور صحابہ اور تابعین کی مقدس جماعت یہ کام احسن اور صاف و پاک طریقے سے انجام دیتے تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے زمانے کے بعد ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی جنہوں نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ احادیث کا ذخیرہ آگے چل کر ضائع نہ ہو جائے ان کو جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ گویا جن حضرات نے احادیث کی کتابیں مرتب کیں ان تک وہ احادیث تحریری شکل میں نہیں پہنچی تھیں بلکہ تقریری شکل میں پہنچی تھیں۔ ان کا اس میں صرف اتنا حصہ ہے کہ جانچ پرکھ سے کام لے کر صحیح اور غلط کو الگ کیا اور اپنی کتابوں میں ان ہی حدیثوں کو جمع کیا جو ان کے نزدیک ان کتابوں میں درج کرنے کے لائق تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کارِ عظیم کی بہترین جزا عطا فرمائے آمین۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے ان سے پہلے ایک دوسرا عظیم کام کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ مختلف ذرائع سے جو احادیث ان تک پہنچی تھیں اور جس غرض کے لئے شارع یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو فرمایا تھا ان کو مسائل کے روپ میں عام مسلمانوں کے ان پر عمل کرنے کے لئے فقہ کی شکل میں پیش کیا۔ یہ ایک مشکل کام تھا جس کے لئے کئی انجمنوں کی ضرورت تھی لیکن اللہ کو اتنی زبردست قدرت ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک شخص سے اتنا کام لے سکتا ہے جتنا کام کرنے سے بڑی بڑی انجمنیں قاصر رہتی ہیں۔ یہی معاملہ اللہ نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ کیا۔ پہلے چند مخلص شاگرد اپنی صحبت اور تربیت میں لے لئے اور پھر اپنے ساتھ ملا کر ایک مجلس (Academy) تشکیل دی جنہوں نے اسلامی قوانین کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ مرتب کیا جو ان کے ذہن کی کوئی اختراع یا ایجاد نہیں تھی بلکہ سیدھے سادھے الفاظ میں قرآن و حدیث کا نچوڑ تھا

۔اور یہ بات پورے عالم پر آشکارا ہے اور امت مسلمہ کے بڑے بڑے علماء وصلحاء ہمیشہ اور ہر دور میں تسلیم کرتے آئے ہیں اور یہ بات کسی بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن اس بات کو کیا کیا جائے کہ ایسی عظیم ہستی کی شان کو گھٹانے کے لئے مہم ہر دور میں جاری رہی اور علم وعمل کے اس آفتاب کے نور اور سادہ لوح انسانوں کے درمیان خود غرض لوگ حائل ہوتے رہے۔لیکن یہ بھی قدرت کا ایک اٹل اصول ہے کہ

چراغے را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس تف زند ریش بسوزد

ترجمہ:۔ جس چراغ کو اللہ روشن کرے، جو اس کو بجھانے کے لئے اس پر پھونکنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اس کے چہرے کو ہی جلا ڈالتا ایسا اور اس کی ظاہری شکل یہی بنتی ہے کہ ایسے علماء وصلحاء میدان عمل میں بھی نمودار ہوجاتے ہیں جو بے خطر حق کے طرفدار بن کر اور روشنی کا مینارہ بن کر عوام کی صحیح رہبری فرماتے ہیں ان ہی خوش نصیب لوگوں میں اللہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی چن لیا تھا جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے دفاع کا حق ادا کیا اور دنیا کے سامنے یہ بات واضح فرمادی کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کی مجلس علمی نے جو ۸۳ ہزار مسائل کا انتخاب قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے وہ مسائل خلاف قرآن وحدیث نہیں ہیں بلکہ عین قرآن وحدیث کے مطابق ہیں ۔اس صداقت کو واضح کرنے کے لئے انہیں زندگی کا کافی حصہ وقف کرنا پڑا اور وقف کرنے کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ایسا کر کے انہوں نے اپنے وقت کو ضائع نہیں کیا بلکہ حق کو واضح کیا لیکن انہیں اس پر افسوس بھی تھا کہ اگر امت مسلمہ کے اندر ایسے لوگ پیدا نہ ہوئے ہوتے جنہوں نے بغیر تحقیق کے امام صاحبؒ پر الزامات لگائے مثلاً یہ کہ وہ اپنی رائے کے مقابلے میں حدیث کو اہمیت نہیں دیتے ہیں تو وہ اشکالات کے جواب میں اپنا قیمتی وقت خرچ نہ کرتے اور وہ دیگر داعیان دین کی طرح دعوت دین کا فریضہ انجام دیتے۔لیکن انہیں اپنے اس کار خیر کو مجبوراً ترجیح دینی پڑی جو پہلے ہی سے ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی مگر صرف کم علم لوگوں کی غلط سوچ اور پروپیگنڈہ کے غلط اثرات سے بچانے کے لئے اس حقیقت سے دوبارہ پردہ اُٹھانے کی ضرورت پڑی اور اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو امام اعظم جیسے امام صاحب اور ان کے ساتھ تعاون کرنے والے حضرات کا اعتماد لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جاتا جو ایک خطرناک بات تھی کیوں کہ دین ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ جن حضرات کی وساطت سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے ہمیں ان پر اعتماد ہو۔ظاہر ہے کہ اگر یہی اعتماد اُٹھ گیا تو دین سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا اور پورا دین خطرے میں پڑ جائے گا۔

## شاہ صاحبؒ کی ایک عبارت کا لوگوں نے غلط معنیٰ نکالے

"تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں" اہل حدیث حضرات کی طرف سے شائع شدہ ایک کتاب ہے جو ۱۹۹۶ء میں الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر نئی دہلی کی طرف سے اول بار شائع ہوئی۔ اس میں کتاب کے مصنف مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری نے اہل حدیث کی تاریخ رقم کی ہے اور اپنے خیال اور زور قلم سے اسلام کی ان نامور شخصیتوں کو اہل حدیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو چاروں مذاہب میں سے کسی نہ کسی مذہب کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ البتہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے خلاف ایسی زبان استعمال کی ہے جو پہلی بار ہی ہماری نظروں سے گذری اور ان کی زندگی کا ایک واقعہ اس انداز سے پیش کیا ہے اور اس کی ایسی من مانی تشریح کی ہے جو ایسے جلیل القدر عالم کی شان کے بالکل خلاف ہے ہمیں نفس واقعہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن واقعہ کو جس تناظر میں پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً قابل افسوس ہے دیانت داری کے ساتھ اپنے علم و فہم کے مطابق کسی سوچ کا حامل ہونا اور اس کے مطابق عمل کرنا الگ بات ہے لیکن کسی کی بات کو غلط تشریح کے ساتھ عوام کے سامنے اس کے عمر بھر کے تجربے، مشاہدے اور اختیار کردہ علمی نظریئے کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا دوسری بات ہے۔ زیر بحث واقعہ میں مصنف نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔

## شاہ صاحب کے عمر بھر کا تجربہ، مشاہدہ اور علمی نظریہ کیا تھا؟

شاہ صاحبؒ کی عمر کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے انتہائی مسکنت کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔ اور کچھ عرصہ بجنور میں گذار کر چند سال مدرسہ امینیہ دہلی میں صدر مدرس رہے۔ پھر کشمیر لوٹ کر یہاں مدرسہ فیض عام چالو کیا جو کشمیر کے مخصوص حالات میں وہ نہ چلا سکے اور ہجرت کے ارادہ سے حجاز مقدس کا ارادہ کیا لیکن پہلے اپنے شفیق استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے ملاقی ہونا چاہا جنہوں نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا اور دیوبند میں پہلے مدرس اور پھر ترقی کرتے کرتے صدر مدرس بن گئے۔ چند انتظامی امور میں اختلاف ہونے کی وجہ سے دیوبند کو چھوڑنا پڑا اور پھر اپنی تدریسی خدمات ڈابھیل گجرات میں انجام دیں۔ جہاں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں طبیعت انتہائی ناساز ہوئی اور واپس دیوبند آکر وفات پائی۔

شاہ صاحبؒ ایک ایسا علمی سمندر تھے جس کے ساحل کا پتہ بھی نہیں لگتا ہے۔ اس بات کا اقرار اس دور کے بڑے بڑے علماء نے کیا ہے۔ مختلف ادوار میں مسلمانوں پر دو قسم کی آزمائشیں آئیں۔ ایک آزمائش

اپنوں کی طرف سے اور دوسری غیروں کی طرف سے حضرات علماء نے ہر دور میں دونوں محاذوں پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ شیعہ سنی اختلاف بیرونی نہیں بلکہ اندرونی ہے۔ فتنہ خلق قرآن بیرونی نہیں بلکہ اندرونی تھا۔ دونوں کے خلاف علماء اہل سنت والجماعت نے اپنے اپنے زمانے میں آواز اُٹھائی اور اپنے علم اور دیانت کی بنیاد پر عام مسلمانوں کو صحیح راہ پر گامزن رہنے کی تلقین کی۔ ان ہی دو آزمائشوں کی طرح مسلمان شاہ صاحبؒ کے زمانے میں ایک تیسری آزمائش سے گذر رہے تھے۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ کہا گیا۔

**دین حق را چار مذہب ساختند**

**فتنہ در دین اسلام انداختند**

(اہل حدیث حضرات کا مقبول شعر)

یعنی مسلمانوں کے چار بڑے امام صاحبان نے جو چار مذاہب وضع کئے یہ اسلام کے اندر ایک زبردست فتنہ ہے۔ اس سے مسلمان ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو صرف قرآن وحدیث پر عمل کر کے حنفی شافعی، مالکی، اور حنبلی کی رٹ نہیں لگانی چاہئے بلکہ سیدھے طریقے سے اہل حدیث یا سلفی بننا چاہئے۔ اہل حدیث یا سلفی سے مراد ان کے نزدیک قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے چونکہ صحابہ کرام قرآن وحدیث پر ہی عمل پیرا تھے اور صحابہ چونکہ ہمارے اسلاف (اگلے وقت کے بزرگ) ہیں لہٰذا اگر لفظ[ "سلفی" بھی بولا جائے تو وہ بھی مناسب رہے گا۔ بظاہر یہ ایک خوبصورت تشریح ہے لیکن اس حدیث کا کیا جواب دیا جائے جس میں حضورﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت فرمایا تھا کہ اے معاذ وہاں پہنچ کر تم فیصلہ کیسے کروگے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ کتاب اللہ سے پھر پوچھا اگر وہاں سے جواب نہ ملے کہا حدیث سے پھر جب پوچھا گیا کہ اگر حدیث سے بھی آپ جواب حاصل نہ کر پاؤگے تو کیا کروگے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا چنانچہ پوری حدیث مشکوٰۃ شریف میں اس طرح ہے:

**وعن معاذ بن جبل ان رسول لله صلی علیه وسلم لما بعثهٗ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاءٌ قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد فی کتاب لله قال فبسنة رسول لله صلی لله علیه وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اجتهد برائی ولا الو قال الحمد الله الذی وفق رسول رسولِ لله لما یرضی به رسول اللّٰہ رواہ الترمزی و ابوداؤد والدار می** (منہ مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء والخوف منہ حدیث نمبر ۳۵۶۵)

ترجمہ:۔ حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے جب ان کو یمن روانہ فرمایا تھا تو دریافت کیا جب کوئی معاملہ تیرے سامنے آئے گا تو کس طرح اس میں فیصلہ کرے گا۔ عرض کیا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر کتاب اللہ میں اس بات کو نہ پائے گا۔ عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر سنت رسول ﷺ میں بھی وہ بات نہ ملے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اجتہاد میں کوتاہی نہ کروں گا معاذؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو توفیق دی کہ راضی ہے اس سے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کا (ترمذی ابوداؤد۔ دارمی)

حق یہ ہے کہ قیاس کے بغیر امت مسلمہ کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا ہاں الزام اس صورت میں عائد کیا جا سکتا ہے جب کوئی شخص دیدہ ودانستہ اپنے قیاس کو حدیث پر ترجیح دے اور ایسا کرنا بے شک حدیث کی مخالفت ہے اور دین میں رخنہ اندازی جس سے دین دین نہیں رہے گا ایسا کوئی کام چار اماموں نے نہیں کیا ہے مثال کے طور پر ہم یہاں صرف ایک واقعہ بتائیں گے جس سے پتہ چلے گا کہ چاروں مذاہب کے امام بنیادی طور پر قرآن وحدیث سے ہی مسائل اخذ کرتے تھے چونکہ اس معاملہ میں اہل حدیث حضرات زیادہ تر امام ابوحنیفہؒ کو نشانہ بناتے ہیں لہٰذا واقعہ بھی ان ہی کے متعلق درج کیا جاتا ہے

## امام باقرؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مکالمہ

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ کوفہ سے مدینہ گئے۔ امام باقرؒ ابھی زندہ تھے۔ امام باقرؒ امام حسینؓ کے پوتے تھے جو حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے فرزند تھے۔ ایک آدمی نے امام باقرؒ کو امام ابوحنیفہؒ کی پہچان کروائی کہ یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ امام باقرؒ نے امام ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا آپ ہمارے نانا جان یعنی حضرت محمد ﷺ کی حدیثوں پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے نہایت ہی ادب سے فرمایا ''عیاذ اً باللہ! حدیثوں کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ اگر آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کرونگا۔ امام باقرؒ بیٹھ گئے اور گفتگو کی اجازت دے دی اور سوال وجواب جو ہوئے وہ یہ ہیں امام ابوحنیفہؒ (سوال) بتایئے شریعت میں مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت؟ امام باقرؒ نے جواب دیا۔ عورت زیادہ کمزور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے کہا شریعت میں مرد کے میراث میں دو حصہ ہیں اور عورت کا ایک حصہ۔ اگر میں قیاس کو شریعت کے حکم پر ترجیح دینے والا ہوتا تو عورت کو دو حصے دیتا کیوں کہ کمزور کو دو حصہ ملنے چاہیں لیکن میں ایسا نہیں کرتا بلکہ عورت کا ایک حصہ اور مرد کے دو حصے کا فتویٰ دیتا ہوں اور یہی حکم آپ کے نانا جان نے فرمایا ہے۔

پھر امام ابوحنیفہؒ نے سوال پوچھا شریعت میں نماز کی اہمیت زیادہ ہے یا روزے کی۔ امام باقرؒ نے جواب دیا کہ نماز کی اہمیت زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہا نے کہ ماہ رمضان میں اگر عورت کو حیض (ماہانہ خون) آتا ہے تو اس کی نماز اور روزہ دونوں چھوٹ جاتے ہیں اگر میں قیاس کو ترجیح دیتا تو رمضان کے بعد عورت کو نماز قضا کرنے کا حکم دیتا لیکن میں ایسا نہیں کرتا بلکہ (صرف) روزے کی قضا کا حکم دیتا ہوں اور نماز معاف ہے اور یہی حکم آپ کے نانا جان نے دیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے سوال کیا شریعت میں پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ امام باقرؒ نے جواب دیا پیشاب زیادہ نجس ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے کہا اگر میں قیاس کو ترجیح دیتا تو پیشاب کرنے پر غسل کا فتویٰ دیتا اور منی خارج ہونے پر وضو کا لیکن میں ایسا نہیں کرتا بلکہ پیشاب کرنے پر وضو کا فتویٰ دیتا ہوں اور منی خارج ہونے پر غسل کا اور یہی نانا جان نے فرمایا۔ سوال و جواب کو سنکر امام باقرؒ اس قدر خوش ہوئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیشانی کو چوم لیا اور خوب دعائیں دیں۔

(حوالہ سیرت نعمان صفحہ ۳۶)

اب معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی وہی تھا جو صحابہ کرامؓ کا تھا لیکن پھر بھی جس زور وشور سے اس بات کو چلایا گیا کہ مذہب حنفی میں حدیث کے بجائے قیاس پر عمل کیا جا رہا ہے یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ جب ایک ایسا الزام لگایا گیا جو بالکل خلاف واقعہ ہے اس کا جواب دینا ضروری بن جاتا ہے۔ تا کہ عوام کا اعتماد اپنے بزرگوں پر سے نہ اُٹھ جائے۔ اور ایمان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ کیوں کہ دین بنیادی طور پر کسی کے اعتماد پر ہی قبول کیا جاتا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کو حضور ﷺ پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ دین کو قبول نہ کرتے۔ اور اسی طرح اگر تابعین کو صحابہ پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ دین قبول نہ کرتے۔ کیوں کہ جب کسی کے صادق ہونے پر دل ہی شک میں ہو تو اس کی بات کو کیسے یقینی طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی تعلیم پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے۔ اب وقت کا ایک امامؒ بہانگ دہل اعلان فرما رہا ہے کہ میرا مذہب قران وحدیث ہی ہے اور صرف ضرورت پڑنے پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی قیاس کرتا ہوں اور پھر بھی اس پر شک کیا جائے یا خواہ مخواہ کی بدظنی قائم کی جائے تو اس سے دین کی ساری عمارت ہی گرنے کا احتمال ہے کیوں کہ ان ہی حضرات کی وساطت سے یہ قرآن وحدیث ہم تک پہنچا ہے۔ پھر کونسی گارنٹی اس بات کی دی جا سکتی ہے کہ یہ قرآن وہی قرآن ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ رب

العزت بذات خود قرآن میں فرماتا ہے کہ انا لہٗ لحافظون ۝ کہ ہم ہی اس دین کی حفاظت کرنے والے ہیں اگر بد اعتمادی کے ایسے خطرات کا احتمال ہو تو اس کو ٹالنے کے لئے دلائل سے کام لے کر اگر اس بات کو ذہن نشین کیا جائے کہ ائمہ حضرات قابل اعتماد ہیں۔ اور ان کی بتائی ہوئی فقہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے تو اس کو عمر ضائع کرنے سے تعبیر کیوں کیا جائے۔ حالانکہ یہ واقعہ صحیح ہے کہ شاہ صاحبؒ نے بڑھتے ہوئے الحاد کو دیکھ کر یہ بات کہی ہے اور یہ اس کے شاگردوں کی کمال دیانت ہے کہ انہوں نے اس کو اُن ہی کے الفاظ میں نقل بھی کیا ہے لیکن یہ شاہ صاحبؒ کا اظہار عجز و انکسار ہے وہ خوب تر کے مقابلے میں خوب پر بھی نادم ہوتے تھے جیسے حضور ﷺ جب اللہ کے قرب میں ایک مقام سے دوسرے اعلیٰ تر مقام کی طرف پرواز کرتے تھے تو گذشتہ مقام پر قانع پر رہنے پر اکتفا کرنے کو خطا سمجھتے تھے اور دن میں ستر مرتبہ یا سو مرتبہ استغفار کرتے تھے کہ خدانخواستہ کہیں میں گذشتہ مقام پر ہی قانع بن کر نہ بیٹھ گیا ہوتا تو یہ ایک قسم کی خطا ہوتی کہ اعلیٰ کو چھوڑ کو ادنیٰ پر اکتفا کیا جاتا ورنہ حضور ﷺ نے کون سے گناہ کئے تھے؟ وہ تو معصوم عن الخطا تھے۔ اسی طرح اپنی اندر کی صفوں کو درست کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو بدظنی اور بدگمانی سے بچانے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے حنفیت کا دفاع کیا اور جب فتنۂ قادیانیت نمودار ہوا تو اپنی تمام تر صلاحیتیں اس کو ختم کرنے کے لئے صرف کیں۔ لیکن پھر بھی اس بات کا دکھ تھا کہ اگر مجھے اس اندرونی انتشار نے نہ گھیر لیا ہوتا کہ ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' مشہور مقولہ ہے تو مجھے اصل توجہ صحیح اسلامی دعوت کی طرف دینی تھی کہ یہی سب سے اعلیٰ کام ہے اور دین کی یہی سب سے بڑی ضرورت ہے جو آج کل لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہے اور غیر اقوام اس دین حق کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے۔ الحاد آ رہا ہے۔ شرک و بت پرستی پل رہی ہے۔ حرام و حلال کا امتیاز اُٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''کہ یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی''۔

یہ گویا کہ ایک شکوہ بھی ہے کہ مجھے اپنی قوم کے لوگوں نے ایسے سوالوں کے جوابوں میں الجھایا جو بذات خود وضاحت طلب نہیں تھے اور اگر ائمہ پر اعتماد کی فضا قائم رہتی تو میں اس سے بڑھ کام کرتا اور وہ وہی کام ہے جس کا تذکرہ اوپر شاہ صاحبؒ نے کیا اور ہم ہیں کہ شاہ صاحبؒ پر الزام لگا رہے ہیں کہ اعلیٰ کو چھوڑ کر گھٹیا کام میں اپنی عمر کو ضائع کیا یہ ہماری مفلوج سوچ کا ایک کھلا ہوا مظاہرہ ہے۔ ہمیں اس پر ندامت ہونی چاہیے کہ ہمارے پاس شاہ صاحبؒ جیسی تلوار موجود ہونے کے باوجود ہم نے اس تلوار کو اسلام کی اشاعت کا کام کرنے نہیں

دیا بلکہ اس سے لاٹھی کا کام لیا۔ جس شاہ صاحبؒ کے متعلق شاہ اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک یہودی نے اس بنیاد پر اسلام قبول کیا کیوں کہ اس دور میں امام غزالی کا مذہب اسلام تھا اور اس یہودی نے کہا کہ جب امام غزالی جیسا امام مذہب اسلام کو حق تصور کرتا ہے اور وہ اس پر قائم ہے تو یہ میرے لئے ایک مضبوط دلیل ہے اور پھر اسلام قبول کیا اور اشرف علیؒ کے نزدیک آج کے دور میں انور شاہؒ کا اسلام قبول کرنا حقانیت اسلام کی دلیل ہے۔

## شاہ صاحبؒ نے کیوں حنفیت کی تائید میں عمر کا ایک خاص حصہ صرف کیا؟

اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے مثلاً ایک عورت ہے جس کی گود میں ایک بچہ ہے اور دوسرا اس کے پیٹ میں ہے تو اب اگر پوچھا جائے کہ ماں کی پرورش کا فوری طور حق دار کون ہے اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ماں کی پرورش کا فوری حقدار گود والا بچہ ہے۔ کیوں کہ وہ اس دنیا میں آیا اور نئے آنے والے کے متعلق یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ صحیح سالم بھی اس دنیا میں آئے گا یا ماں کے پیٹ میں ہی مر جائے گا یہی حال اپنے مسلمان بھائیوں اور غیر مسلموں کا ہے۔ مسلمان تو ہماری گود میں ہیں۔ انہوں نے اللہ رب العزت پر ایمان لایا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان لایا ہے۔ یہ ہمارے ایمانی بھائی ہیں اور ان کا حق ہمارے اوپر غیر مسلموں سے زیادہ بنتا ہے اگر ان کا ایمان خطرے میں پڑنے والا ہو تو اس کی اول درجے میں فکر کرنا ضروری بن جاتا ہے۔ اب پوچھا جاسکتا ہے کہ فروعی مسائل میں مسلمان اگر فریق ثانی کے طریقے پر ہی عمل کریں گے تو اس سے کون سا فرق پڑ جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے مسئلہ ایک فرع کو چھوڑ کر دوسری طرح کے فرع پر عمل کرنے کا نہیں ہے بلکہ "بزرگان دین اور ائمہ حضرات پر اعتماد کا ہے" اگر امر واقعہ یہ ہے کہ چار مذاہب میں کوئی ایسے مسئلہ پر عمل کرتا ہے جو واقعی حدیث سے ثابت ہے پھر اس کو خواہ مخواہ الجھا کر دوسرے مذہب کے فروعی مسئلہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا جائے تو یہ "تحصیل حاصل" ہے۔ اور دوسری سعی لاحاصل ہے یا اس کی ایسی مثال بنتی ہے کہ ایک شخص حج کے لئے نکلا اور اس سفر پر روانہ ہونے کے بعد دوسرا شخص کچھ آگے چل کر اس کو زبردستی باتوں میں یا لڑائی جھگڑے میں الجھاتا ہے اور اسکے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں رکاوٹ بن رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ حج نہیں کر پاتا ہے پھر اس سے طعنہ دے کر تو نے حج کرنے کے بجائے اپنے اوقات کو لڑائی میں کیوں خرچ کر ڈالا۔ تو اس کا سیدھا جواب اگر چہ وہ خود بھی جانتا ہے لیکن بطور شکوہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ آپ ہی نے تو مجھے اس جھگڑے میں پھنسا دیا۔ یہ آپ ہی کی ذرہ نوازی ہے۔ جناب ہی کی کرم فرمائی ہے اسی مضمون کو

ایک فارسی شاعر نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمے گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

ترجمہ: آپ نے مجھے بیچ دریا کے باندھ کر رکھا اور دوسری طرف یہ نصیحت کرتے ہو کہ ذرا خیال رکھنا کہیں تمہارا دامن تر یعنی گیلا نہ ہو جائے۔

صدیوں سے مسلمان ان چار مذاہب کے مطابق عمل پیرا ہیں لیکن ایک منظم طریقے سے جن لوگوں نے دعوت چلائی کہ مسلمان اس طرز عمل کو چھوڑ دیں اور ان ہی کا طریقہ کار اپنائیں درآنحالیکہ جب ان سب ائمہ کا طریقہ بھی حدیث سے ثابت ہے اور ہم سے صدیوں پہلے حضورﷺ کے قریب تر زمانے میں بھی مسلمانوں نے اپنایا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرز عمل سے سوائے انتشار اور سلف سے بداعتمادی کے دین کی کونسی مفید خدمات انجام پارہی ہے یہ چند سطور عرض کرنے سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں بلکہ مسئلے کی اپنے امکانی حد تک ایک غیر جانبدارانہ طریقے سے صفائی ہے۔ خدا تمام مسلمانوں کو یہ بات اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

## کشمیر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے آٹھ سال

## ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۶۸ھ تک یعنی ۱۹۰۲ء سے ۱۹۱۰ء تک

بچپن کے زمانے کو چھوڑ کر جب آپ ضلع ہزارہ اور اس کے بعد دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو آپ نے پہلے تقریباً پانچ سال تک مدرسہ امینیہ دہلی میں بحیثیت صدر مدرس اپنی خدمات انجام دیں۔ لیکن آپ کو ۱۹۰۲ء میں اپنے بھائی کی وفات پر کشمیر آنا پڑا۔ چونکہ آپ کے والد صاحب کو جوان بیٹے کی اچانک وفات سے کافی صدمہ پہنچا لہٰذا انہوں نے آپ کو کشمیر میں ہی روک لیا۔ اس لئے آپ کو چار و ناچار آٹھ سال کشمیر میں گذارنے پڑے۔ لیکن جب آپ نے یہاں پر اپنے اہل وطن کی خستہ حالی دیکھی تو خود بھی دہلی یا دیوبند جانے کا ارادہ ترک کیا اور کشمیر میں ہی رہ کر خدمت دین انجام دینے کا عزم کیا۔ اپنی قوم کو بیدار کرنے کے لئے آپ کے پاس جو سب سے بڑا منصوبہ ہو سکتا تھا وہ یہی تھا کہ دارالعلوم دیوبند یا مدرسہ امینیہ کی طرح یہاں بھی ایک دینی ادارہ قائم کیا جائے تا کہ دینی بیداری کے ذریعے سے آہستہ آہستہ سیاسی بیداری بھی یہاں کے غلام عوام میں نشو نما

پاسکے۔لیکن کشمیری قوم اُس وقت کس قدر مفلوج ہو چکی تھی اس کا اندازہ لگانا اِس وقت مشکل ہے۔البتہ ممکن ہے کہ آج کے تعلیم یافتہ حضرات کو علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار سے ان کی غلامانہ ذہنیت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکے۔

کشمیری کہ با بندگی خو گرفتہ ☆ بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے ☆ خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او ☆ نصیب تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے ☆ نہ در سینۂ او دل بے قرارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری ☆ کہ خاکسترش آفریند شرارے

(ترجمہ)

(۱) ہائے کشمیر کہ جہاں کے لوگوں کا مزاج غلامانہ بن گیا ہے اور انہوں نے غلام رہنے پر ہی قناعت کی ہے ان کا حال یہ ہے کہ قبرستان کی لوح تربت (یعنی قبر کے سرہانے کا پتھر جس پر تاریخ وفات وغیرہ لکھی جاتی ہے) کو کانٹ چھانٹ کر کے بت بناتے ہیں مطلب یہ کہ قبر پرستی کے مرض میں مبتلا ہوئے ہیں۔

(۲) ان کا ضمیر بلند خیالی سے محروم ہے۔ان کو اپنی خودی کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہے اور احساس کمتری کی وجہ سے اپنے وجود پر شرمسار ہیں۔

(۳) جاگیردار اور سرمایہ دار اس کی محنت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے اوپر قبا (اشارہ زرق برق لباس کیطرف ہے) پہنے ہوئے ہیں۔اور خود یہ اپنے جسم کو چھپانے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔

(۴) ان کے اند بلند خیالی اور بلند نظری نہیں رہی ہے اور نہ ہی ان کے سینے کے اندر دل بے قرار ہے۔مطلب یہ کہ اب ان کے دل بھی غلامی پر ہی رضامند ہیں۔

(۵) آخر پر علامہ اقبالؒ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو اس شراب معرفت کا ایک قطرہ اس قوم پر برسا جس کے ذریعے اس کے سوئے ہوئے وجود اور راکھ سے کوئی چنگاری بھڑک اُٹھے۔

اپنے اردو کلام میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ۔

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و اسیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

سرما کی ہواؤں میں عریاں ہے بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جسکا امیروں کو دوشالہ

کشمیر کی قالین بافی اور شال بافی ایک مشہور صنعت ہے لیکن اس غریب کشمیری کا یہ حال ہے کہ اپنی غربت کی وجہ سے امیر لوگ اس کا شال خریدتے ہیں اور یہ بیچارہ یہاں کے ٹھنڈے موسم میں بھی ننگے بدن رہتا ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر کو انگریزوں سے ۷۵ لاکھ روپے کی رقم ادا کر کے خریدا تھا لہٰذا وہ اس رقم کو واپس بٹورنے کے لئے کشمیری عوام کو دوہاتھوں سے لوٹ رہا تھا۔

کشمیری مسلمان بے کسی اور اور مظلومیت کے شکار تھے ان کی دبی ہوئی آواز کو بلند کرنے کیلئے کوئی پلیٹ فارم موجود نہیں تھا البتہ ریاست سے ہجرت کرنے والے کچھ دردمند مسلمانوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں ایک جماعت کشمیری کانفرنس کے نام سے بنائی تھی جس کے بانیوں میں ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ بھی شامل تھے۔

ایک اجلاس میں انہوں نے دل کو پاش پاش کرنے والا یہ ولولہ انگیز قطعہ پڑھا تھا

پنجہ ظلم و جہالت نے برا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پروبال کیا
توڑ اس دست جفا کش کو یارب جس نے
روح آزادئ کشمیر کو پامال کیا

اقبالؒ

اسی طرح اقبالؒ نے یہ دردبھری رُباعی بھی قلمبند کی

اے باد صبا گر بہ جینوا گذر کنی
حرفے زما مجلس اقوام باز گوے
دہقان و کشت و جوے وخیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

ترجمہ:۔(ا) اے صبح کی ٹھنڈی ہوا اگر تیرا گذر جینوا کی طرف ہوجائے تو ہماری طرف سے مجلس اقوام کو پھر یہ چند

حروف پہنچادے۔یاد رہے کہ U.N.O سے پہلے کی League of Nations کی طرف یہ اشارہ ہے۔

(۲) کہ کشمیری قوم کے دہقان اور کھیت، پانی کی ندی نہریں اور پھلواڑیاں بیچی گئیں۔غرض کہ ایک قوم کو بیچ ڈالا گیا اور بہت ہی سستے داموں میں بیچ ڈالا گیا۔

علامہ اقبالؒ مولانا انور شاہ صاحبؒ کے ہم عصر اور قدردان تھے انہوں نے دوسری جگہ اپنے کلام میں اسی کشمیری قوم کے متعلق کہا ہے۔

معمور ہوں دل جس کی فغان سحری سے

اس دیس میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

اس قسم کے حالات میں مولانا انور شاہ صاحبؒ نے کشمیر میں اسلامی تعلیمات کو زندہ کرنا چاہا کہ اسلام ہی اصل میں انسانوں کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔لیکن یہ قوم سوئی ہوئی ہی نہ تھی بلکہ نیم مردہ تھی۔شاہ صاحبؒ کے گرم پھونک بھی اس کو بیدار کرنے میں تہی دامن رہے اگرچہ آپ نے سرد ماحول کو بدلنے کیلئے وادی میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے لوگوں کا ایک ہجوم آپ کی وعظ و تبلیغ کی مجالس میں شریک ہوتا تھا اور شاہ صاحب کو بھی کچھ امید کی کرن نظر آنے لگی لیکن زمانے کی گردش کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ یہ لوگ صرف رسمی طور سے ہی ان مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ تعویذ ودعا کے لئے ہی شاہ صاحبؒ سے چمٹے رہتے ہیں۔اس طرح شاہ صاحبؒ کو جب مدرسے کے قائم ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ۱۳۲۳ھ میں آپ نے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔اس زمانہ میں بارہ مولہ میں ایک رئیس خواجہ عبدالصمد ککرو صاحب ہوا کرتے تھے وہ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔انہوں نے بھی چاہا کہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ حج پر چلے جائیں۔دیکھتے دیکھتے ککرو صاحب کے چند دوسرے دوست بھی تیار ہو گئے جن میں ضلع ہزارہ کے نواب کے وزیر سید مردان علی بھی شامل تھے۔جو حضرت شاہ صاحبؒ کے قدردانوں میں سے تھے۔ان تین اصحاب کے علاوہ اور بھی چھ افراد اس قافلے میں شریک تھے۔شاہ صاحبؒ نے اپنے خرچہ پر حج کا ارادہ کیا تھا لیکن خواجہ عبدالصمد ککرو صاحب نے اصرار کیا کہ وہ ان نو اصحاب کا خرچہ خود برداشت کریں گے شاہ صاحب نے اپنے دوست کی قدردانی کرتے ہوئے اس پیشکش کو قبول کیا تا کہ ان کے دوست کی دل آزاری نہ ہو۔اگرچہ شاہ صاحب نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اب اپنی پوری زندگی حجاز مقدس کی پاک سرزمین میں ہی مہاجر کی

حیثیت سے گذاریں گے لیکن دورانِ سفر جب گکرو صاحب کو شاہ صاحبؒ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے شاہ صاحبؒ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی زبردست کوشش کی اور شاہ صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ اُن کو کشمیر میں ایک دارالعلوم قائم کرنے میں مدد کریں گے تو شاہ صاحب نے ہجرت کا ارادہ ترک کیا اور ۱۳۲۴ھ میں حج سے فارغ ہو کر دہلی اور دیوبند سے ہوتے ہوئے کشمیر پہنچ گئے۔

## مکہ اور مدینہ میں علماءِ اسلام کا اعتراف

حج چونکہ ایک ایسا اجتماع ہے جس میں پورے عالم اسلام سے آئے ہوئے حجاج کرام کے علاوہ مختلف گوشوں سے بڑی تعداد میں علماء کرام بھی تشریف لاتے ہیں اس حج میں بھی طرابلس، بصرہ، مصر، شام اور دوسرے مقامات سے بڑے بڑے علماء تشریف لائے تھے۔ ان سب نے شاہ صاحب کی بہت عزت کی اور انکی اونچی علمی استعداد دیکھ کر اپنی طرف سے بطور عزت افزائی کے اپنی سندوں **(Certificates)** سے نوازا۔ یہ کسی کی علمی فضیلت کو تسلیم کرنے کا ایک طریقہ علماء اسلام میں رہا ہے۔ ان اسناد میں آپ کا نام بڑے القاب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

الفاضل الشیخ محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری لیکن شاہ صاحبؒ نے اپنے ذاتی ارادہ سے طرابلس کے ایک بہت بڑے محدث حضرت شیخ حسینؒ سے علمی استفادہ بھی کیا اور انہوں نے آپ کو حدیث کی باقاعدہ اجازت بھی عطا فرمائی۔

## روضۂ اطہر کے سامنے رقت آمیز نعت

جب آپ اس حج میں روضہ اطہر پر حاضر ہوئے تو آپ پر رقت طاری ہوئی اور عرب کے فصیح و بلیغ اصحاب کے نذرانۂ عقیدت کا تصور کر کے سوچا کہ ایک عجمی کس طرح اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرے تو عشق محمد ﷺ کے اس پروانے نے عقل کو حیران کرنے والی زبان اختیار کی ایک طرف آپ کے محبوب کی زبان عربی اور دوسری طرف عاشق کی زبان عجمی لہٰذا آپ نے عربی اور عجمی زبان کے دل کش الفاظ کو اپنی نعت میں نہایت ہی قیمتی موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیا اور آپ کی مبارک زبان پر یہ نعت جاری ہوگئی جو آج بھی دلوں کو پاش پاش کرتی ہے

**اے صبا حالم رساں نزدِ رسول ﷺ اذ ماٰلی نحو مولیٰ قد یاؤل**

گرچہ از تر دامنی خستم و لے
چوں گدا ہستم نہ راند از درم
چوں رسیدی انور ابر کوئے او

علّ ان اروی اذا ھبّت قبول
الله لا ینھر الوجه سؤل
انک الاٰتی بخیرٍ فی القفول

## حج سے واپسی کے بعد

علم کے نور کو عام کرنے کے لئے شاہ صاحب سے پہلے مولانا رسول شاہ صاحبؒ نے ۱۳۱۷ھ میں "انجمن نصرت الاسلام" نام کی ایک تنظیم قائم کی جنہوں نے پہلے پرائمری پھر مڈل اور اس کے بعد اسی مدرسہ کو ہائی سکول اور کالج کے درجہ تک پہنچایا اور یہ مدرسہ آج تک ان بزرگوں کے اخلاص کی بدولت چل رہا ہے۔ اس زمانے میں کشمیر ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ پسماندہ علاقہ تھا اور شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس پسماندگی کا حل صرف علم تھا ۔جب سفر حج میں ککرو صاحب نے تعاون کی پیشکش کی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ہجرت کا ارادہ ترک کر کے مدرسہ کو قائم کرنے کے لئے تگ ودو شروع کی اور مدرسہ بارہمولہ میں ہی قائم کرنا چاہا۔ جس کی دو وجہیں تھیں ایک یہ کہ خواجہ عبدالصمد ککرو اور دوسرے معاونین بھی بارہمولہ ہی کے باشندے تھے اور دوسری وجہ یہ کہ برصغیر کے ساتھ ملانے والا اہم راستہ بھی بارہمولہ سے ہی گذرتا تھا اور یہ قصبہ ایک طرح سے کشمیر میں داخل ہونے کا دروازہ (Gate-way) تھا ۔جہاں سے لوگ ہزارہ، پشاور، راولپنڈی، امرتسر اور دہلی وغیرہ جاتے تھے۔

## مدرسہ ۱۳۲۲ھ میں قائم ہوا

قصبہ بارہمولہ کے جن اصحاب نے آپ کا تعاون کیا ان میں خواجہ عبدالصمد ککرو، خواجہ امیر الدین ککرو اور خواجہ امیر شاہ صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔مدرسہ کا نام "فیض عام" رکھا گیا اس سے پہلے اس نام کا ایک مدرسہ کانپور میں قائم ہوا تھا جس کے ایک صدر مدرس مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی رہے۔ غالباً شاہ صاحب نے اس مدرسے کا نام فیض عام اس لئے بھی رکھا ہوگا تا کہ کشمیر کے عام مسلمان اس سے فیض حاصل کر سکیں۔

## یہ مدرسہ کیوں نہ چلا؟

مجھ ناچیز نے اپنی کتاب "داعی توحید" میں مولانا الیاس کی تبلیغی تحریک اور مولانا عبدالولی شاہ صاحب کی تحریک توحید کے تقابلی پس منظر میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس زمانے میں کشمیر کا مسئلہ کچھ عجیب وغریب قسم کا تھا۔ یہاں عالی شان مسجدیں تھیں ۔مساجد میں اوراد اور وظائف کا زور تھا لیکن صدیوں سے ایک ایسا ماحول بن

چکا تھا کہ اللہ سے بھی مانگا جاتا تھا اور اللہ کے پیارے بندوں سے بھی مانگا جاتا تھا اور اس کو خلافِ دین نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں عوام کا یہ عقیدہ تھا کہ جب ان کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ ختمات مروجہ کشمیر کا سہارا لے کر محفل ختمات کا انعقاد کرتے اور رو رو کر اللہ کے نبیوں، ولیوں اور بزرگوں کو مدد کے لئے پکارتے تھے۔ بارہمولہ کے یہ رؤسا اور دیگر معززین بھی اس عقیدہ سے مبرّا نہیں تھے۔ ان معزز خاندانوں کے اصحاب بھی انہی عقائد کے حامل تھے جس کی تصدیق مرحوم شیخ محمد عبداللہ کے اس تحریر کردہ واقعہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے آتش چنار کے صفحہ ۱۵۳ پر لکھی ہے کہ قید و بند کے دوران "میری کوٹھڑی کے بالکل ساتھ دوسرے سنگین میں بارہمولہ کے محمد مقبول ککرو قید تھے۔ ایک رات زبردست اچھل کود کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو میں تھوڑا سا گھبرا گیا لیکن جب کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ککرو صاحب بآوازِ بلند بارہمولہ میں آسودہ ایک ولیِ کامل حضرت جانباز ولیؒ سے فریاد کر رہے تھے۔

چھی میے دُشمن چپ وراست رٹکھ تے ژٹکھ یاشہہ جانبازؒ

ترجمہ:۔ میں چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہوں۔ یا جانباز ان کو نیست و نابود کر۔ ککرو صاحب آواز لگانے کے ساتھ ہی ساتھ اچھلتے کودتے تھے اور اسی لئے سنگین کے دروازے ہل رہے تھے۔ میری رگ ظرافت پھڑکی اور میں نے اونچی آواز سے ان کو پکارا کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ اب آپ سو جایئے تاکہ آپ کے ساتھی قیدی بھی آرام کر سکیں۔ ککرو صاحب کو واقعی قرار آ گیا اور پھر ہمارے ساتھ وہ بھی رات بھر میٹھی نیند سو گئے۔

اسی طرح داعیِ توحید مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ نے ایک بار یہ واقعہ فرمایا کہ ایک موقعہ پر مولانا انور شاہ صاحبؒ نے مجھ سے صاف لفظوں میں بیان فرمایا کہ جتنی تکالیف آپ نے دعوت توحید کے سلسلے میں میرے کشمیر سے واپس لوٹ جانے کے بعد کشمیر میں سہے مجھ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ عدالتوں میں گھنٹوں آپ کی طرح کھڑا رہتا۔ جس کی ایک وجہ مولانا عبدلولی صاحبؒ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ حضرت شاہ صاحبؒ بواسیر کی ایک تکلیف میں مبتلا تھے۔ اور فطرتاً ہنگامہ آرائی کو ناپسند کرتے تھے۔ بقول جناب سیف الدین سیفی صاحب سوپوری اپنے کو اختلافات میں پڑنے سے دور ہی رہتے تھے اور مثبت طریقے سے علم دین کی اشاعت کے متمنی تھے۔ لیکن داعی توحید کا نظریہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ قوم جب تک عقیدہ توحید میں راسخ نہ ہو جائے تب تک کوئی تیر نشانہ پر لگنے والا نہیں ہے۔

ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ بارہمولہ کی

تاریخی رسہ کشی کے دوران مولانا انور شاہ صاحبؒ نے مجھے خاص طور سے طلب کیا اور فرمایا کہ مولانا کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ یہ لوگ آپ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔شاہ صاحبؒ کے ادب کی وجہ سے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کہ کیا وجہ ہے۔فرمایا اصل وجہ یہ ہے کہ یہ قوم صدیوں سے قرآن فہمی سے محروم ہے لہٰذا میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ ایک درسگاہ کھولیں اور وہاں اس کے ذریعے سے علم قرآن کی اشاعت کریں۔جب یہ قوم قرآن سمجھے گی تو مخالفت خود بہ خود ختم ہوجائے گی۔اس کے بعد شاہ صاحبؒ جب واپس دیوبند چلے تو جو لوگ اُن دنوں وہاں سے کبھی کشمیر آتے تھے ان کے ذریعہ سے مولوی صاحب کے مدرسہ کا حال معلوم کرتے تھے کہ کیسا ہے۔کس طرح چلتا ہے وغیرہ۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تجویز اور داعی توحید کی تائید کے باوجود مدرسہ کو مخالفین نے آزادی کے ساتھ چلنے نہیں دیا اور مولوی عبدلولی شاہ صاحب کو ایک طویل عرصہ تک "مدرسہ کیس" میں الجھایا گیا جس میں آخر مولوی صاحب کو جیت ہوئی اور مدرسہ تعلیم القرآن کی شکل میں بہت عرصہ تک چلتا رہا جس کے ایک روح رواں مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم تھے اور سرپرست اور بانی مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ تھے۔کیوں کہ مولوی حبیب اللہ صاحب اپنے استاد کو صرف استاد ہی نہیں مانتے تھے بلکہ پیرومرشد بھی تصور کرتے تھے۔زمانے نے کروٹ لی اور مولانا عبدالرحیم صاحب ابن مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ اس وقت بارہمولہ میں ایک اعلیٰ سطح کا دارالعلوم چلارہے ہیں جو میرے یقین کے مطابق مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ کی دعائے نیم شبی کا نتیجہ ہے اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کے علمی ادارے کا ہی تسلسل ہے۔مفتی عبدالرحیم صاحب کی تعلیم وتربیت میں مولانا حبیب اللہ صاحب نے ایک خصوصی کردار نبھایا۔اللہ تعالیٰ مولانا انور شاہ صاحبؒ،مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ اور مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے کہ تینوں حضرات کشمیر میں علم دین کو روشن کرنے میں ایک مضبوط ذریعہ بنے۔اگر چہ شاہ صاحبؒ نے دیوبند اور ڈابھیل میں علم دین کی اشاعت کی مسند سنبھالی لیکن آج اگر براہِ راست نہ صحیح لیکن بالواسطہ ان کے شاگردوں کے شاگردوں نے کشمیر میں مدارسِ اسلامیہ کا ایک جال بچھایا ہے جس کے متعلق مجھ ناچیز کی دعا ہے کہ خدا ان مدارس کو کشمیر میں احیائے اسلام اور اسلامی حکومت قائم ہونے کا ایک ذریعہ بنائے۔آمین۔

زندگی کی آخری دہائی میں حضرت شاہ صاحبؒ کو کشمیر میں بحیثیت ثالث اس وقت آنا پڑا جب یہاں مسئلہ شیأ للہ کی سنگینی نے سخت رخ اختیار کیا تھا۔اور بارہمولہ میں وہی لوگ اب تک اس مسئلہ میں مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ کے ساتھ دست وگریبان تھے جنہوں نے ایک زمانے میں شاہ صاحبؒ کو مدرسہ کے قائم کرنے میں

کچھ تعاون بھی دیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب ان مسائل میں کشمیر کے لوگوں کو الجھتے ہوئے دیکھ کر دل سے خون کے آنسو بہاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ مسئلہ سلجھ جائے۔ مسئلہ بڑا سنگین تھا جس کی پوری تفصیل راہِ نجات کے داعیٔ توحید کے شمارے میں درج ہے وہاں ملاحظہ کی جائے۔ ایک ایسا قضیہ کھڑا ہوگیا جس کا نام ہی قضیہ نامرضیہ تاریخ میں رقم ہے۔ نہ ایک فریق اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار تھا اور نہ دوسرا فریق۔ شاہ صاحبؒ نے اس قضیہ کا مستحسن (بہتر) فیصلہ فرمادیا۔ کہ جب ایک فریق اس وظیفہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور دوسرا اختیار کرنے کے لئے نہیں تو درمیانی راستہ یہ ہے کہ ان دونوں فریق کا آمنا سامنا چونکہ صرف مساجد میں ہوتا ہے جہاں یہ وظیفہ زوروشور سے پڑھا جاتا تھا اور لغت کے اعتبار سے وظیفہ اس عمل کو کہتے ہیں جو کسی کے واسطے ہر روز کے لئے مقرر ہو اور یہاں کے عوام نے ہر روز اس وظیفہ کو مساجد میں پڑھنے کا معمول بنایا تھا جیسا کہ مولانا عبدلولی شاہ صاحبؒ نے اس خط میں بیان کیا ہے جو انہوں نے اس دور میں حضرت شاہ اشرف علی تھانوی صاحبؒ کو لکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ کو ایسے حالات میں یہ بات سوجھی کہ کم از کم روز کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے اس وظیفہ کو مساجد میں پڑھنے پر روک لگادی جائے اور اس کے شائقین کو گھروں کے اندر پڑھنے پر راغب کیا جائے۔ یہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک مسئلے کا ایک عارضی حل تھا اور نہ تو شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کے ذریعے سے جو علوم ہم تک پہنچے ہیں ان میں کہیں اس بات کا اتا پتا نہیں ملتا ہے کہ شاہ صاحب دل سے بھی اس وظیفہ کے قائل تھے بلکہ ان کے مشہور اساتذہ کی آرا بھی اس وظیفہ کے عدمِ جواز کے سلسلہ میں کتابوں میں موجود ہیں۔

مسئلہ جوں کا توں ابھی مسلمانوں کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔ اور اب بھی شاہ صاحب کے فیصلہ کے باوجود علمائے بریلوی اس کے جواز کے قائل ہیں اور علمائے دیوبند عدم جواز کے۔

اس بارے میں مولانا عبدالولی شاہ صاحب نے ایک دفعہ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ جب شاہ صاحبؒ نے یہ فیصلہ بارہمولہ میں دیا تو میں ایک دفعہ ان کے آبائی گاؤں ورنولولاب ان کے ساتھ ملنے کے لئے گیا۔ جہاں ان دنوں اُنکے والد صاحب بھی بقید حیات موجود تھے۔ مجھے دیوان خانے پر بٹھایا گیا اور بعد میں شاہ صاحبؒ نے مجھ سے کہا کہ خواجہ صاحب یعنی حضرت شاہ صاحب کے والد انہیں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ وہ تقریر میرے سامنے دہرایئے جو آپ نے بارہمولہ میں کی تھی۔ میں نے وہ تقریر مولانا معظم صاحبؒ کے سامنے دہرائی تو آخر پر انہوں نے فرمایا میں نے یہاں پہنچ کر حضرت شاہ صاحبؒ سے پوچھا تھا کہ آپ نے بارہمولہ میں یہ کیا فیصلہ دیا کہ یہ وظیفہ مساجد میں پڑھنا ممنوع

ہے اور گھروں کے اندر جائز۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ بارہمولہ کے عوام ایسی سخت ضد پر اُتر آئے تھے کہ کوئی صورت بن نہیں آتی تھی تو آخر مجبوراً مجھے یہ فیصلہ دینا پڑا کہ یہ وظیفہ مساجد میں ممنوع اور گھروں کے اندر جائز ہے۔ میں نے یہ سوچ کر یہ فیصلہ دیا کہ یہ لوگ گھروں کے اندر اور بھی اس قسم کے معاملات انجام دیتے ہیں اگر یہ کام بھی اپنے گھروں کے اندر ہی کریں گے تو کم از کم مساجد کے اندر ٹکراؤ کی فضا ختم ہو جائیگی اور پھر آہستہ آہستہ گھروں سے بھی اس کو الوداع کیا جائے گا۔

اس قسم کے حالات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے چاہا کہ اس یخ بستہ زمین میں بیج بونے سے ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ کشمیر سے باہر کہیں اپنے کام کے لئے میدان تلاش کریں۔ ان ہی ایام میں کشمیر کے ایک مورخ منشی محمد الدین فوق بھی بارہمولہ میں موجود تھے۔ انہوں نے از خود یا خواجگانِ بارہمولہ کی خواہش پر شاہ صاحبؒ سے اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ آپ کشمیر سے باہر نہ جائیں کیوں کہ دیوبند کی نسبت (جہاں بہت سے علماء کام کر رہے ہیں) کشمیر آپ کی خدمات کا زیادہ مستحق ہے۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ کوئی ایسا آدمی پیدا کیجئے جو ہماری باتیں سن سکے۔ مجھے وطن کی خدمت سے انکار نہیں۔ فوق صاحب نے پھر زور دے کر کہا کہ ناہموار زمین میں اگر تکلیف اور صعوبت برداشت کر کے کوئی چیز بوئی جائے وہاں بھی وہ نشو نما حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے عزم مصمم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کشمیر سے دل برداشتگی کے اس واقعہ کا اظہار انہوں نے مولانا امین الدین صاحبؒ بانی مدرسہ امینیہ دہلی کے نام ایک مکتوب میں بھی کیا ہے جس کی تفصیل راہ نجات داعی توحید نمبر میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

اس مدرسہ کو قائم کرنے اور کشمیری عوام و خواص کی بے توجہی کی وجہ سے اس میں ناکام رہنے میں شاہ صاحب کے قیمتی آٹھ سال کشمیر میں صرف ہوئے۔

کوندو صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کے قیام سرینگر کے واقعات میں سید احمد اندرابی کے حوالے سے لکھا ہے اس زمانے میں کچھ اشخاص نے مذہب حنفی کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کیا تھا۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب نے خاص طور پر فاتحہ خلف الامام، رفع الدین اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل پر بقدر ضرورت روشنی ڈالی تھی اور حضرت امام الائمہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے ٹھوس دلائل و براہین دے کر ثابت فرمایا کہ حضرت امام اعظم کے مختارات (اختیار کردہ مسائل) بدلائل قویہ راجح ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مرزائیوں کے دجل و فریب کو براہین قاطعہ کی روشنی میں طشت از بام فرمایا تھا۔ (اسی طرح جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ میں شاہ صاحب

کی تقریریں ہوئیں۔ جامع مسجد میں میر واعظ احمد اللہ صاحبؒ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کمال اشتیاق سے سنی۔ غالباً خانقاہ معلیٰ میں ہی حضرتؒ سے مرزائیوں کے دو فرقوں (لاہوری اور قادیانی پارٹی کے متعلق سوال کیا گیا۔ فرمایا کہ دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں بس لعین (بڑا لعنتی) اور لُعَین (چھوٹا لعنتی) کا فرق ہے۔ دوران تقریر مشہور مرزائی (اور پھر بہائی) مولوی عبداللہ وکیل صاحب کھڑے ہوئے اور کچھ پوچھنا چاہا مگر ان پر ایسا رعب طاری ہوا تھا کہ وہ تمہیدی الفاظ کو بھی صحیح رنگ میں ادا نہیں کر سکے چنانچہ یوں گویا ہوئے کہ "جناب میں فرماتا ہوں" چونکہ "میں فرماتا ہوں" کے الفاظ بدحواسی کے عالم میں زبان پر جاری ہوئے اور یہ الفاظ ایسے وقت میں ایک سائل کے لئے آداب مجلس اور تہذیب کلام کے لحاظ سے عوام کی نظروں میں بے محل اور ناموزون تھے اس لئے تمام سامعین اور حاضرین نے وکیل صاحب کا مزاق اُڑایا اور وہ کھسیانے ہو کر ایسے بیٹھ گئے کہ دوبارہ اُٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ حالانکہ شاہ صاحبؒ کی طرف سے کسی کو بھی سوال پیش کرنے کی ممانعت نہیں تھی۔ ہم نے ان ہی ایام میں سنا تھا کہ وکیل صاحب مذکور نے اپنی پارٹی کے خواص لوگوں سے کہا تھا کہ اس شخص کے علم کے سامنے سرنگوں ہو کر سجدہ کرنا چاہئے تھا۔ (نوٹ: اگر وکیل صاحب کو حضرت کے کمال علمی کا واقعی اعتراف تھا تو قبول حق سے کیوں انکار تھا۔ جبکہ ہمارے اکابر کی تعلیمات سجود لغیر اللہ اور اسی قسم کی مبالغہ آمیزی کے بالکل خلاف ہیں کمال علمی کے سامنے سر بسجود ہونے کے بجائے اعتراف حق میں ہی عافیت تھی۔)

## اس دوران شاہ صاحبؒ کی چند علمی اور تحقیقی باتیں

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ ارشاد صحیح اور ثابت روایات سے امام بیہقی نے کتاب المدخل میں نقل کیا ہے:

**ما جاء عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فعلی الرّأسِ و العینِ وما جاء عنِ الصحابهٖ نختارُ منهم وما جاء عن التابعین فهم رجالٌ و نحن رجالٌ وفی روایةٍ زاحمنا هم**

ترجمہ: یعنی جو کچھ (دین کے بارے میں) ہم تک رسول علیہ السلام ﷺ سے پہنچا ہے وہ ہمیں بہ سرو چشم تسلیم ہے۔ ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں جو کچھ صحابہ سے ہم تک پہنچا ہے ہم ان سے اس بارے میں اپنے لئے واضح اور راجح راہِ عمل اختیار کریں گے اور جو کچھ حضرات تابعینؒ سے ہم تک پہنچا ہے اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ (بزرگانِ دین) بھی تابعی ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور ہم بھی الحمد للہ اس سے مشرف ہیں۔ ایک روایت میں آیا

ہے کہ ہم ان (تابعین کرام) سے راجح اور مرجوح کے پرکھنے اور صحت روایات وغیرہ اصول دین کے سلسلے میں بشرط ضرورت اور بقدر حاجت مزاحمت بھی کریں گے) کیوں کہ شرف تابعیت کی وجہ سے علمی و دینی معلومات میں ہمارے اندر یہ اہلیت بھی موجود ہے۔

## قراءت خلف امام کے متعلق تحقیق

اس بارے میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس میں سب سے مقدم اور مافوق یہ ارشاد الٰہی ہے **واذا قرأ القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون** ۔یعنی جب قران مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے لئے خاموش رہو۔توقع اور امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا **قال احمدؒ اجتمعت الامة علىٰ انها نزلت فى الصلواة** ِیعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔آپؒ نے اس آیت کی تفسیر میں عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا یہ شعر بھی پیش کیا

انصتوا را گوش کن خاموش باش
چوں زبان حق نگشتی گوش باش

یعنی ارشاد الٰہی **انصتو** (قرآن سننے کے لئے خاموشی اختیار کر) پر گوش ہوش سے متوجہ ہو کر خاموش رہو اگر تم زبان حق نہیں بنتے (کہ پیش امام بن کر) قرآن پڑھتے تو (مقتدی بن کر) کان ہی بنو یعنی سنتے جاؤ۔شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس شعر میں زبان حق سے مراد امام اور گوش سے مراد مقتدی ہے۔امام کا مقتدیوں پر مقدم ہونا اور مقتدیوں کا صف بہ صف امام کے پیچھے کھڑا رہنا اس میں یہی خاص بات ہے کہ نماز میں امام ہی قرآن عزیز پڑھے۔اور مقتدی امام کی قراءت کو خاموش ہو کر سنتے رہیں۔آپ نے علامہ ابن قدامہؒ حنبلی کی کتاب "المغنی" کے حوالہ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل فرمایا:

**" قال احمد ما سمعنا احداً يقول من صلىٰ خلف امام و لا يقرأ بفاتحه الكتاب لا تجوزُ صلوتهُ** ٗیعنی ہم نے کسی اہل علم کو (یہ کہتے ہوئے) نہیں سنا کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے اس کی نماز جائز نہیں۔مطلب یہ کہ امام کے پیچھے نماز نماز پڑھنے والے پر قرأت واجب ہی نہیں ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اکثر ائمہ جہری نمازوں میں وجوب قرأت خلف الامام بلکہ جواز کے بھی قائل نہیں۔چنانچہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں **هذا النبى صلى الله عليه وسلم (اشاره ذهنى) و هذا**

مالک من المدینۃ و ھذا سفیان من الکوفۃ و ھذا الاوزاعی من الشام و ھذا لیث بن سعد من مصر ما قالو ا الرجل صلی خلف رجل ولم یقرأ خلفہٗ لا تجوز صلوٰتہٗ :

یعنی حضرت امامؒ کا ارشاد ہے کہ یہ ہیں حضرت نبی اکرم ﷺ اور یہ ہیں مدینہ طیبہ کے امام مالکؒ اور یہ ہیں کوفہ کے امام سفیان ثوریؒ اور یہ ہیں شام کے امام اوزاعیؒ اور یہ ہیں مصر کے لیث بن سعدؒ۔ان میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ جو شخص کسی امام کا مقتدی ہو اور اقتداء کی حالت میں قرأت نہ پڑھے تو اس کی نماز جائز نہ ہو۔آپؒ نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ کی ''کتاب الام'' اور ''کتاب الامام'' میں وجوب قرأت کا کوئی ذکر نہیں۔ہاں متاخرین شافعیہ کا کہنا ہے کہ امام شافعی عمر شریف کے آخری دو سال میں وجوب کے قائل ہو گئے تھے۔آپ نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے من ادرک الرکوع فقد ادرک الرکعۃ۔یعنی امام کے ساتھ صرف رکوع پانے والا رکعت کو بھی پالیتا ہے۔صاف بات ہے کہ اگر مقتدی کے لئے قرأت واجب ہوتی وہ صرف رکوع میں امام کے ساتھ بغیر قرأت کے شامل ہو کر کیسے اور کس طرح رکعت پالیتا۔

فرمایا کہ حضر امام بخاریؒ اگر اپنی حدیث دانی کی وجہ سے دست مبارک بلند کریں تو عرش مجید تک پہنچا سکتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ کے بالواسطہ **(indirect)** اور بلاواسطہ **(Direct)** شاگرد ہیں مثلاً عبداللہ بن مبارکؒ وکیع بن الجراح،ابوبکر بن شیبہ،یحییٰ بن معین،علی بن مدینی اور مکی بن ابراھیمؒ۔(آخر پر ذکر کئے گئے) یہ مکی بن ابرھیم حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اور حضرت امام بخاریؒ کے زمانہ تک زندہ رہے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔یہ وہی مکی بن ابراہیم ہیں جن سے حضرت امام بخاریؒ کو اکثر ثلاثیات کا فخر حاصل ہوا ہے۔ثلاثیات ان احادیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث کے راوی اور آنحضور ﷺ کے درمیان صرف تین حضرات کا واسطہ ہو۔کیوں کہ اکثر احادیث میں تین سے زیادہ حضرات کا واسطہ امام بخاری اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہے۔اس قسم کی چند احادیث پر (جو امام بخاریؒ نے نقل فرمائی ہیں) بڑا فخر تھا۔اور یہ ہے بھی قابل فخر بات لیکن ان ثلاثیات کا فخر جو امام بخاریؒ کو حاصل ہے ان میں اُن کے استاد یہی مکی بن ابراھیم حنفی ہیں)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے ''جزءالقراۃ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا اکثر حصہ ''قرأت خلف امام'' یعنی امام کے پیچھے قرأت پڑھنا کے مسئلہ پر چھایا ہوا ہے۔میرے استاد مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک رسالہ میں اس کا مناسب جواب لکھا ہے اور اس رسالہ کے مضامین پر محدثانہ کلام فرمایا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے علامہ قاضی شوکانیؒ پر جرح فرمائی۔ جرح ان سوالات کو کہتے ہیں جو ایک فریق دوسرے سے حقیقت یا سچائی معلوم کرنے کے لئے کرے۔ اپنی جرح میں انہوں نے فرمایا کہ شوکانی نے چند کتابوں کی عبارات میں اِدھر اُدھر اور ہیر پھیر کر کے اپنے خیال کے مطابق احادیث پر تنقید کی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی جو احادیث تائید کرتی ہیں ان کو نظر انداز کر کے تعصب کی روش اختیار کی ہے۔ علامہ شوکانیؒ کی تحقیقات ادنیٰ قسم کی تھیں۔ میں بطور فخر کے نہیں البتہ وسعت معلومات و تحقیقات کی بناء پر کہتا ہوں کہ میری علمی تحقیقات ان کی تحقیقات سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہیں۔ جن باتوں کو علامہ شوکانیؒ نے بطور دلیل کے بیان کیا ہے میں نے ان کا ایسا جواب دیا ہے کہ علامہ شوکانی کی تو بات ہی نہیں بلکہ اُن کے فرشتوں کو بھی اطلاع نہیں ہوگی۔

حضرت شاہ صاحبؒ ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی شخصیت تھے۔ خانقاہ اندرابیہ سرینگر میں غالباً عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز پڑھ کر دعا کیلئے قوم کی طرف منہ کیا مگر پیٹھ ذرا جنوب کی طرف مائل تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پوری طرح قوم کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے۔ دعا سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے دریافت فرمایا کہ ادھر جنوب کی طرف کون بزرگ مدفون ہیں حاضرین نے کہا کہ یہ سید میر محمد میرک اندرابیؒ کا مزار مبارک ہے۔ اس کے بعد کبھی اس طرف پیٹھ کر کے نہیں بیٹھے۔ اسی طرح حضرت شیخ حمزہ المعروف مخدوم صاحبؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے بڑا مجمع ساتھ تھا جن میں اہل علم و فضل شامل تھے۔ جونہی بالائی ڈیوڑھی پر قدم رکھا فوراً جوتے اُتار دئے۔ اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ دل کی بینائی اور روحانی کمالات سے مالا مال تھے۔

ایک دن اسی سفر میں سرینگر کی مشہور جھیل (ڈل) کی سیر کا پروگرام بنا۔ بڑے بڑے اہل علم و فضل اور بزرگانِ میر محلہ ملارٹہ ساتھ تھے جھیل کے وسط میں ایک بزرگ نے سنجیدہ اور سریلی آواز میں مثنوی مولانا رومؒ کے دو تین اشعار پڑھے۔ پہلا شعر یہ تھا

بشنو از نے چوں حکایت می کند
واز جدائیہا شکایت می کند

اس شعر کی تشریح میں حضرت شاہ صاحبؒ نے زبان کھولی اور مسلسل تین چار گھنٹے تک دل کش تشریح فرماتے رہے اور حاضرین نہایت ہی خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ اور شاہ صاحبؒ درس دیتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو مولانا رومؒ جیسے کامل عارف سے بھی روحانی فیض حاصل ہوا تھا

۔مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کا یہ معاملہ تھا کہ ایک دفعہ استنجاء کے بعد وضو کیا اور ایک مسجد میں چاشت کے وقت **تحیۃ المسجد** اور **تحیۃ الوضو** کے لئے داخل ہوئے آس پاس کے لوگ حسب عادت دیر سے نیند سے اُٹھ کر صبح کی نماز (قضا) ادا کرتے تھے جب شاہ صاحبؒ سرینگر کے میر محلہ کیطرف ایک صاحب محمد اکبر مرحوم کے ساتھ چل پڑے تو ان سے فرمایا" یہ لوگ بڑے صالح ہیں کہ کافی تعداد میں نماز چاشت پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کے ساتھ ان کے حسن ظن کا حال تھا۔

## حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق علمائے اسلام کی آراء

علامہ علی مصری جب ایک مرتبہ دیو بند تشریف لائے تو حضرت شاہ کے درس بخاری میں شرکت کی ۔شاہ صاحب نے پورا درس آپ کی رعایت سے عربی میں دیا۔ علامہ مصری درس کے دوران سوالات کرتے اور شاہ صاحب جوابات دیتے رہے۔ درس کے بعد علامہ مصری نے کہا کہ میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علمائے زمانہ سے ملا۔ خود بھی میں نے مصر میں کئی سال حدیث کا درس دیا ہے۔ ہر جگہ کے علماء سے حدیثی مباحث کئے ہیں مگر میں نے اب تک اس شان کا کوئی محدث عالم نہیں دیکھا۔ میں نے ان کو ہر طرح سے بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضارِ علوم، تیقظ، حفظ واتقان، ذکاوت اور وسعت نظر سے حیران رہ گیا۔ اور پھر علامہ نے یہ بھی فرمایا **لو حلفت انّہٗ اَعْلم مِن ابی حَیفۃ لما حَنثْت** اگر میں قسم کھالیتا کہ شاہ صاحبؒ ابو حنیفہؒ سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو میں حانث نہ ہوتا۔ جب حضرت شاہ صاحب کو علامہ مصری کے ان تاثرات کا پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا ہمیں امام کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں۔

## طلباء کا اعتراف

حضرت شاہ صاحب کو جب ھدایہ اور مقامات حریری جیسی کتابیں پڑھانے پر مامور کیا گیا تو ایک نوآموز استاد ہونے کی وجہ سے طلباء نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا بلکہ یہاں تک چہ میگوئیاں کیں کہ ایک نئے مدرس کو اس قسم کی کتابیں پڑھانے کی ذمہ داری سونپنا ایک غلطی ہے۔ لیکن پہلے ہی دن کے سبق سے اٹھ آنے کے بعد وہ طلباء جو حسب عادت نئے مدرس کو تنگ کرنے کے لئے خوب تیار ہو کر آئے تھے۔ حیرت زدہ ہو کر دھوم مچا رہے تھے اور بول رہے تھے **واللہ انہٗ بحرٌ لا ساحل لہٗ** ۔ ترجمہ خدا کی قسم یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں (دیکھو حیات انور صفحہ ۵۹ حصہ دوم)

## مولانا غلام نبی مبارکیؒ کے تاثرات

سرینگر شہر کے مشہور میر واعظ اہلحدیث مولانا غلام نبی مبارکیؒ کشمیر نے فرمایا لما رأیت وجهه عرفت انه عالم متورع متشرع جامع لعلوم الأليتو الالٰهية ترجمہ جونہی میری نظر پہلی بار ان کے چہرۂ مبارک پر پڑی میرے دل پر یہی عکس پڑا کہ یہ ایک پرہیزگار، پابند شریعت اور علوم عقلیہ نقلیہ کے جامع عالم ہیں۔

## علامہ رشید رضا مصری

علامہ رشید رضا مصریؒ مدیر المنار قاہرہ نے فرمایا: ما رأیت مثل هذا لاستاذ الجليل قط (ترجمہ) میں نے اس جیسا جلیل القدر استاد کبھی نہیں دیکھا۔(لالہ وگل صفحہ ۶۹)

## علامہ زاہد بن الحسن کوثری کے تاثرات

قسطنطنیہ کے ایک بہت بڑے عالم زاہد بن الحسن کوثری جو بعد میں مصر میں جلاء وطنی کی زندگی گذارتے رہے۔ علمی حلقے ان کی علمی عظمت کو خوب جانتے ہیں انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا لَمْ يأتِ فی الامّةِ بَعد الشيخ ابن الهمام مثلهٗ فی استشارة الابحاث النّادرة من الاحاديث ولَيْسَتْ هٰذهِ المدةُ بقصيرةٍ (الخ) یعنی احادیث سے باریک مسائل اخذ کرنے میں (ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ جنہوں نے مشہور کتاب فتح القدیر لکھی ہے) کے بعد اس امت میں حضرت شاہ صاحب مرحوم جیسا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوا۔(لالہ وگل صفحہ ۷۱)

## شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ کی رائے

ترکی کے ایک اور جلا وطن عالم سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے جب گہری نظر سے شاہ صاحبؒ کے رسالہ "مرقات الطارم علیٰ حدوث العالم" کا مطالعہ کیا تو مولانا یوسف صاحب بنوریؒ سے جو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تھے بار بار کہا کہ " انی افضل هٰذه الوريقات علیٰ جَميع المادة الذاخرة فی هٰذا الموضوع .فانی افضلها علیٰ هٰذه الاسفار الاربعة للصدر الشيرازی "ترجمہ یعنی حدوث عالم کے موضوع پر آج تک قدیم وجدید علوم میں جو کچھ مواد ملتا ہے اس سب پر میں شاہ صاحب کے اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں اور صدر شیرازی کی یہ طویل اور ضخیم کتاب (جو اس وقت ان کے سامنے تھی) پر بھی اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں۔(دیکھو

الانور صفحہ ۳۳۱ اور لالہ وگل صفحہ ۱۷)

## مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒ فرماتے ہیں

دیوبند کے ساتھ پچاس پچپن برس کے تعلق میں مجھے ہزاروں نام آور حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر وہ موقعہ مجھے نہیں بھولتا جب عالم اسلام کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار قاہرہ دیوبند تشریف لائے اور ان کے استقبال کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نے فن حدیث اور اس کے مدارج حجیت نیز دوسرے علوم دینیہ کی روشنی میں دارالعلوم دیوبند کے مسلک کی وضاحت میں ایک محققانہ تقریر عربی میں ان کے سامنے فرمائی۔ دوران تقریر علامہ رشید رضا کسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے کچھ سوالات بھی کرتے تھے اور شاہ صاحب ان کا فوری جواب بھی دیتے تھے جس سے شاہ صاحب کی علمی عظمت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھا اور رخصت ہوتے وقت فرمایا لو لم ارها لرجعت من الهند حزيناً۔ اگر میں ہندوستان میں دیوبند کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین ہو کر واپس وطن لوٹتا۔ (حالانکہ وہ اس سے قبل دہلی اور ندوۃ العلماء بھی تشریف لے جاچکے تھے۔

## (اقبالؔ کی آرزو)

جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

(اقبالؔ)

# گوشہ ادبِ اسلامی

## در مدح امام العصرؒ

حضرت انور پہ لکھنا سخت ہی دشوار ہے
بخش دے یارب خطا عالی تیری سرکار ہے

ہے قلم عاجز کہاں سے قصہ کا آغاز ہو
قصہ ہی اس عاشق صادق کا پر اسرار ہے

بچپنے سے پچپنے تک علم کا طالب رہا
ان کی ساری زندگی میں عجز کا اظہار ہے

علم کی لذت کو پانے کے لئے ایسی ہی دھن
عالموں اور عاقلوں کو ہر گھڑی درکار ہے

چھوڑنا گھر بار اور اپنے قریبی رشتہ دار
ایک ایسا راستہ ہے جو بڑا پر خار ہے

عازم شہر مدینہ بن کے جب گھر سے چلا
شیخ ہند بولے کہ یہ عازم ہمیں درکار ہے

دیوبند میں بیٹھ کر عرفاں کے تو دریا بہا
کیونکہ امت اس وقت ہر سو بہت لاچار ہے

مدتوں اس سرزمیں میں علم کے ناشر بنے
چپہ چپہ جس زمیں کا قابل دیدار ہے

قادیان سے جب اٹھی جھوٹی نبوت کی لہر
صاف لفظوں میں بتایا یہ بڑا غدار ہے

ہائے وہ کشمیر جس سے روٹھ کر نکلا وہ شاہ
اب تو کل عالم ہی اس کے علم سے سرشار ہے

حضرت انور کے صدقے قبر کی ظلمت میں کر
قبر عاصیؔ کی منور تو بڑا غفار ہے

عاصیؔ غلام نبی

# تذکرۃ الصالحین

## خواجہ غلام حسن نحوی......تدریسی و تبلیغی خدمات

(۸جنوری ۱۹۲۰ء......۱۱ نومبر ۲۰۰۵ء)

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد نحوی صاحب

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ایک مقدس اور منفرد پیشہ ہوا کرتا تھا اور مختلف علوم و مضامین کے اساتذہ ایک مشینری جذبے کے تحت تعلیم و تدریس سے منسلک ہو جاتے تھے ۔وہ طلبہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور نتیجتاً بہتر اور کار آمد شاگردان کے حلقہ درس سے فارغ ہو کر دوسروں کی تربیت کیا کرتے تھے ۔ان طلبہ کے ہاتھوں میں موجودہ دور کی رسمی ،خود ساختہ جعلی ،اور مصنوعی ڈگریاں نہیں ہوتی تھیں اور نہ ان کے لئے تقسیم اسناد کے جلسوں (Convocations) کا اہتمام و انصرام ہوتا تھا ۔وقت گذرنے کے ساتھ قدیم اور جدید علوم کے مدارس میں سند فراغت اجرا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ۔قدیم اساتذہ سب سے پہلے زبان کے مبادیات اور صرف و نحو (Grammar) سے طلبہ کی شناسائی کر کے ان میں زبان دانی کا ذوق پیدا کرتے تھے ۔زبان پر مہارت حاصل کرنے کے بعد طلبہ علوم کے سرچشموں سے از خود واقف ہو جاتے تھے ۔وہ کلاسیکی ادب ،دینیات ،فلسفہ ،منطق ،علم الکلام اور علم فقہ کی اہم کتابوں کو بڑی آسانی سے پڑھتے تھے ۔درسِ نظامی کو اس حوالے زبردست اہمیت حاصل تھی ۔ہماری دانشگاہوں سے آج کل کے ایم ۔اے عربی، فارسی اور اردو کسی مولوی فاضل، منشی فاضل یا ادیب فاضل کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

خواجہ غلام حسن نحویؒ مرحوم جنوبی کشمیر کے ان جید اساتذہ کی صف میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں جنہوں نے بیس سال کی عمر میں مدرسہ اتالیق الاسلام بجبہاڑہ سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور تقریباً ساٹھ سال تک فارسی اور اردو مضامین پوری دسترس کے ساتھ پڑھاتے رہے ۔باپ اور بیٹے یعنی مولانا مصطفٰے مصفا اور خواجہ غلام حسن نحویؒ نے اپنے قدیم مکان واقع بابا محلہ بجبہاڑہ متصلِ زیارتِ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ میں گیارہ ہزار طلبہ کو درساً قرانِ پاک ،گلستان ،بوستان ،پنج گنج ،بدائع

منظوم، قدوری، مشکوۃ المصابیح، کتب صرف ونحو، مثنوی رومی، ترمذی۔ نسائی اور اس طرح دیگر چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائی ہیں۔ چنانچہ مولانا مصفا اور مولانا نحویؔ کی ذاتی ڈائریوں میں جنوبی کشمیر کے ان طلبہ کے نام۔ کتابوں کی فہرست اور ماہانہ اجرت اور ہدایا کا حساب درج ہے۔ مولانا مصفا کے بارے میں سینکڑوں شواہد اب بھی موجود ہیں کہ انھیں یہ سبھی کتابیں حرف بہ حرف زبانی یاد تھیں۔ اس دور کے جید علماء ان کے درسی محاسن کے معترف تھے۔ غلام حسن نحویؔ طلبہ کا ہاتھ پکڑ کر کاغذ پر یا بلیک بورڈ پر الفاظ، تراکیب، اشعار اور اقوال لکھواتے، اور کلاس میں ہر غبی قسم کے طالب علم سے یہ عمل دہراتے اور مشق کرواتے تھے۔ جور استاد بہ زمہر پدر (استاد کا ظلم باپ کی شفقت سے بہتر ہے) والا معاملہ بھی شدت سے کارفرما رہتا تھا۔ چنانچہ صرف ونحو کے مشکل اصولوں کو ذہن نشین کراتے وقت وہ چوبِ سخت کا استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد کے نیوز بورڈ پر "فکر امروز" کے زیر عنوان وہ ہر دن کوئی مقولہ، اقوال زریں، ملفوظات سعدی، ضرب الامثال، آیات واحادیث یا کسی اہم خبر کو رباعی کی شکل دے کر سکول میں ایک خالص علمی واخلاقی طرزِ فکر کو تقویت بخشنے میں مصروف رہتے تھے۔ ضلع اسلام آباد میں آج بھی مولانا نحویؔ کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں اور مسرت کی بات یہ ہے کہ ان سے جب بھی کبھی کبھار راقم السطور کی ملاقات ہوتی ہے وہ ضرور کوئی علمی نکتہ کوئی شعر یا کسی اصطلاح کی وضاحت کرتا ہے اور اس طرح چالیس پچاس سال پہلے لوحِ ذہن پر مخلص استاد کے نقش کئے ہوئے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اقبالؒ نے استاد کو ایک معمار سے تشبیہ دی ہے اور اسے انسانی روح کا خلاق قرار دیا ہے

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
اس کی صنعت ہے روح انسانی

تدریسی سطح پر خواجہ حسن نحوی جنوبی کشمیر میں اردو اور فارسی کے اپنے دور کے کامیاب ترین استادوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جون ۱۹۸۸ء میں مجھے کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے "اقبال اور وحدت الوجود" کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ایوارڈ کی گئی۔ ڈاکٹریٹ کا یہ مقالہ راقم نے دو بڑے ماہرین علم وادب پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر ضیاءالحسن فاروقی کی مشترکہ نگرانی میں مکمل کیا تھا۔ موضوع کے حوالے سے مجھے اردو اور فارسی کی سینکڑوں کتابیں دیکھنے کا موقعہ ملا

تھا اور ویسے بھی مطالعہ کتب میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اقبالؔ کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے ان سب باتوں سے والد صاحب بخوبی واقف تھے۔اس کے باوجود انہوں نے ایک بار صاف الفاظ میں قدرے سخت لہجے میں کہا کہ ''آپ نے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں یونیورسٹی سے حاصل تو کیں لیکن جب تک اقبال کا پورا فارسی کلام میرے سامنے ایک بار نہیں پڑھو گے یہ ڈگریاں نامکمل ہیں ۔چنانچہ خوش قسمتی سے کلیات اقبال (فارسی) ان کے سامنے درساً پڑھنے کا موقع ملا، جس سے زبان و بیان کی بہت ساری باتیں جن سے میں بے خبر تھا واضح ہوگئیں۔

خواجہ غلام حسن نحویؔ ایک کامیاب استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قادر الکلام مبلغ بھی تھے ،جنہوں نے پچاس سال سے زیادہ عرصے تک مسجد جامع لتر پلوامہ اور جامع مرہامہ میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔ تعلیمی لحاظ سے ان پسماندہ علاقوں میں اس زمانے میں اسلام کی قندیل کو روشن رکھا ،جب نہ درسگاہوں کا قیام عمل میں آیا تھا اور نہ وہ ذرائع مہیا تھے جو آج کل کے مبلغوں کو حاصل ہیں ۔علاقہ شاہورہ میں اب بھی نحوی صاحب کے سینکڑوں سامعین اور شناسا بہ قید حیات ہیں اور انہیں باوجودِ ناخواندگی کے علم دین کے خوبصورت نکتے اور اہم واقعات زبانی یاد ہیں۔ان کے سامعین میں چالیس سال صف اول میں ایک حیران کن حافظہ رکھنے والا مرحوم اسد اللہ کو کہ باوجود ناخواندہ ہونے کے سینکڑوں آیات، احادیث، کلام سعدی، فقہی مسائل اور اقوال زریں زبانی سنا سکتا تھا اور جب تعلیم یافتہ حضرات ان سے پوچھتے تھے کہ آپ نے کس درسگاہ سے فراغت پائی ہے تو وہ جامع لتر کے خطباتِ نحوی کا شکریہ ادا کرتا تھا۔ جب تک مولانا نحوؔی بقید حیات تھے تو علاقہ شاہورہ اور مرہامہ میں ایک ہی جامع مسجد ہوا کرتی تھی اور لوگ آٹھ دس کلومیٹر پیدل چل کر ان کے علم و دانش سے معمور خطبات سننے جوق در جوق آتے تھے۔ کئی لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ مولانا نحوؔی کے خطبات میں شامل ہونے کے لئے وہ جمعہ کے اہم نجی مصروفیات کو خیر باد کہتے تھے۔ان خطبات میں جہاں قرآن وسنت کے لطیف نکات واضح ہو جاتے تھے وہیں عالم اسلام کے سیاسی، سماجی، دینی اور اجتماعی مسائل پر بھی مولانا نحوی اظہار رائے کرتے تھے۔اس کی وجہ دراصل ان کی وہ زبردست انہماک تھا جب وہ بغیر ناغہ بی۔بی۔سی کی اردو سروس، تہران ریڈیو کے اردو اور فاسی پروگرام اور مکہ مکرمہ کے عالمی نشریات کے پروگرام بڑی باقاعدگی کے ساتھ رات ایک بجے تک سنا کرتے تھے۔ادھر قوت یادداشت کا یہ عالم تھا

کہ جو کچھ وہ ایک بار سنتے تھے کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر علمی مسائل کو۔ ٹی۔ وی کو وہ پسند نہیں کرتے تھے اور اسے جرائم، بے حیائی اور بصری آوارہ گی کا محور کا خیال کرتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں انہیں اگر وہ تعلیمی، تدریسی، تحقیقی سہولیات فراہم ہوتیں جو آج کل کے علماء کو مہیا ہیں، شاید وہ اس خطے کے ممتاز علماء کی صف اول میں شامل ہوتے۔ دوسری بات کہ وہ شہرت پسندی کے فن سے متنفر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی میں کبھی انہوں نے ریڈیو کشمیر، دوردرشن، اکیڈمی یا کسی مشاعرے میں شمولیت نہیں کی۔

سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شانِ امارت میں
بآب ورنگ خال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# مولانا مصفاؔ

## [کشمیر کا ایک بلند پایہ نعت نگار]

(پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد نحوی صاحب)

کشمیر میں آفتاب دین کے طلوع کے ساتھ ہی نعت گوئی کی شروعات ہوئی تھی اور شاعروں اور ثناخوانوں نے عربی اور فارسی شاعری کے تتبع میں آقائے دوجہاں ﷺ کی مدح وثنا میں نہایت ہی خوبصورت نعتیں تحریر کیں، جو عقیدت واحترام کے ذکر جمیل سے مزین ہیں۔ حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ سے لے کر دور حاضر تک فارسی اور کشمیری زبانوں کے مقامی شعراء کے دواوین میں ذات رسالتمآب ﷺ کے شکل وشمائل، عادات واطوار تعلیمات وارشادات اور سیرت وصورت کی نہایت ہی جامع عکاسی کی گئی ہے۔

جنوبی کشمیر کا قصبہ بجبہاڑہ صدیوں سے اسلامی علوم کا گہوارہ رہا ہے، خاص طور پر اس قصبے کو حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے ورودِ مسعود سے مرجع خلائق کی حیثیت گذشتہ ساڑھے تین سو برسوں سے حاصل ہے۔ قصبہ بجبہاڑہ میں مولوی محمد خضر مقبلؔ، مفتی ضیاالدین انزنو، مولوی عبدل احد ناظمؔ، ولی محمد خاکی، قمرالدین خاکی، غلام احمد خاکی، مفتی محمد عبداللہ مرحوم، مفتی محمد مقبول مرحوم، مولوی نورالدین ناظمی مرحوم، مفتی غلام نبی مرحوم، ہادی محمد فاخرؔ اور مولوی محی الدین مہدیؔ اپنے دور کے بے بدل علماء وفضلاء گذرے ہیں۔ اسی کہکشاں میں غلام مصطفےٰ مصفاؔ ایک ایسی عبقری شخصیت ہیں، جو اپنے خداداد حافظے، شعری صلاحیت، موزونی طبیعت اور جدت کلام کے ساتھ ساتھ ساٹھ سال تک مسلسل درس وتدریس اور تبلیغ واشاعت کے ملی فریضے کے ساتھ جڑے رہے۔ مصفاؔ مرحوم نے چودہ سال متواتر رات کی تنہائیوں میں آرام کے لمحات کو خیرباد کہہ کے پچیس قرآنی پیغمبروں کے حالات زندگی، نبوی خدمات اور ان کے فضائل وکمالات کو شعر وادب کے سانچے میں ڈھال کر قصص الانبیاء (منظوم) سات جلدوں پر چالیس ہزار اشعار کا ایک حیران کن ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑ کر ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو اس دارفانی سے رحلت کر گئے۔ کتاب کا نام طباعت کے موقع پر میرے والد مرحوم نے

قصص الانبیاء کے بجائے تاریخ الانبیاء رکھا، اور اس وقت تک تاریخ الانبیا کی تین جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

مولانا مصفا طبعاً ایک بے نظیر سخن ور تھے، لیکن ایک ایسے دور میں انکھ کھولی تھی، جب علم وادب کی معاشرے میں کوئی خاص پزیرائی نہیں ہو رہی تھی۔ مایوس کن اور حوصلہ شکن حالات کے باجود مصفا اپنے فکر وفن کو صفحہ قرطاس پر نہایت عمدہ خط میں منضبط کرتے رہے۔ تاریخ الانبیاء جیسی مثنوی کے اسلوب میں تحریر شدہ ضخیم کتاب کے علاوہ آپ نے ''نعت مصطفیٰ ﷺ۔ گلشن مصفا'' کے عنوان سے ایک چھوٹا سا مجموعہ تحریر کیا تھا' لیکن اپنی زندگی میں اس کو بھی طبع نہ کر سکے۔ راقم السطور نے ان نعتوں کو اکٹھا کر کے سال ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔

نعت نویسی ایک نازک' اور انتہائی حساس صنفِ کلام ہے۔ یہ اگر چہ اصناف شعر وسخن میں شامل نہیں ہے تاہم اس نے جو تقدیس' قبولیت اور شہرت پائی ہے' اس کے سامنے دیگر اصناف کی تازگی اور توانائی کمزور پڑھ گئی اور اس وقت تمام زبانوں میں نعتیہ ادب کا ایک گراں قدر ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ نعت نویس کا قران وحدیث سے مکمل طور واقف ہونا لازمی ہے ورنہ اس وادی میں بھٹکنے اور خدانخواستہ ایمان سے محروم ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہمارے یہاں کئی کشمیری نعت نگاروں نے ایسی نعتیں تحریر کی ہیں جو مقام رسالت ﷺ کے آداب اور صنفِ نعت کے لوازمات سے بالکل بے خبری پر مبنی ہیں۔ وہ فقط لفاظی، نقالی اور پیشہ اینٹھنے کا ذریعہ ہیں، اور اس مقصد کے لئے ان نعت نگاروں نے خوش لحن گلوکاروں کو بھر پور پیسہ دے کر اپنا مادی مقصد پورا کیا ہے۔

مولانا مصفا اپنی نعوت میں سرورِ دو عالم ﷺ کے لائے ہوئے نظام رحمت کا تذکرہ کرتے وقت شعر کے ردیف وقافیہ کو قرآن کی آیات سے جوڑ کر نعت کا ایک نیا اور منفرد طریقہ وضع کرتے ہیں۔ مصفا فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ زندگی کا ایک صحت مند نظام لے کر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے دکھائے ہوئے صراط مستقیم کی تصدیق ملائکہ نے کی۔ جو صاحب دل تھے وہ فوراً آپ کی طرف مائل ہو گئے اور جو جہالت وضلالت کی راہ پر ڈٹے ہوئے تھے، وہ مزید گمراہ ہوتے چلے گئے۔

ییتھ زندگی ہُند نو و نظام آواز خدا با احتشام
تصدیق دیوت ملکو تمام ھٰذا اسراط المستقیم

ژول ہول جاں اہل دلن، ڈول آیہ لیس قہرچ گلن
وول فرحتن ووت منزلن مَن جآ ءَ بالقلب السلیم

گلشن مصفا میں اٹھائیس نعتوں کے علاوہ ''مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات'' شامل ہے۔ ہر نعت کے لئے مصفا نے نبی اکرم ﷺ کی ذات والاصفات کے لئے ایک ایک توصیفی لقب مقرر کیا ہے۔ مثلاً نعت محمد عربی، نعت رسول مدنی ﷺ، نسعت سرور عالم، نعت خیر البشر اور نعت رسول مقبول ﷺ وغیرہ۔ عام لوگوں کو ان نعتوں میں جس مشکل کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مصفا نے روایتی اور رسمی نعت نگاروں کے بجائے اپنی نعتوں کا اسلوب علمی، شرعی اور حقیقی عقیدت پر قائم کیا ہے۔ نعت کے شعر کا پہلا مصرعہ کشمیری زبان سے اور دوسرا عربی یا فارسی میں، ادب واحترام اور توقیر وتقدیس کے جملہ لوازمات کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ یہاں نمونۃً دو نعتوں میں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

چہ غمخوار پیغمبرے ہست مارا
رفیقاً شفیقاً ولیس عدیلا
فدا خواب راحت نمودہ بامت
نداشد قم الیلَ الاّ قلیلا
چو او سکہ از دینِ حق زد بمکہ
پیام آمدش، فاتخذہُ وکیلا
از و یک نگاہے است کافی بہ محشر
یکون لنا لنجاۃ دلیلا
مصفا ہم از راجیان شِفاعت
متٰی یومَ سماہٗ یوماً ثقیلا

مصفا اپنی ایک منفرد نعت میں انسانی دنیا پر سرور کائنات کے احسانات اور فیوض وبرکات کا احاطہ اس خوبصورتی کے ساتھ کر چکے ہیں، کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیرت کی ایک کتاب چند اشعار میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔

جہانس کاس گٹہ چانی جمالن یارسول اللہ

زمانس دیت نور چانی کمالن یارسول اللہ
بہارن باغ ہیوت چھاون امارن آونو دیاون
جلا دیت چانی حسنِ بے مثالن یارسول اللہ
مہربان اتھ حدس تامتھ خدا چانین غلامن پیٹھ
صبح تیلہ پھول اذان بیئہ پر بلالؓ یارسول اللہ
چھہ ظالم پامہ دیتھ میانس ضمیرس یود کراں زخمی
یہ سالم چھس بہ چانے لولہ ژالن یارسول اللہ
مصفا ہیتھ دلکی دادی چھہ آمت ورگہ فریادی
اثر پیدا کرس آہن تہ نالن یارسول اللہ

کشمیری زبان کے معروف شاعر اور استاد پروفیسر مرغوب بانہالی گلشن مصفاؔ کے پیش لفظ میں مصفا مرحوم کی نعتوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

گدائی چانہ دربارچ یمو کر
تمو لُبی حکمرانی آغہ میانے
یلوز و چانہ وتہ منز تمو پراو
حیاتِ جاودانی یارسول اللہ
مصفاؔ کیا ادا کر چانی تعریف
خدا در نعت خوانی آغہ میانے

☆☆☆

# پروفیسر جی۔ایم۔شاد

## [فارسی کا عاشق صادق]

[پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب]

جنوبی کشمیر کی قدیم الایام لیکن مردم خیز بستی قصبۂ بجبہاڑہ کو یہ شرف واعزاز حاصل رہا ہے کہ یہاں مختلف ادوار میں سنسکرت، عربی، فارسی اور کشمیری کے قادرالکلام شعراء وادباء پیدا ہوئے ہیں اور یہاں علم وآگہی فقر ودرویشی اور شان قلندری کے صفات سے متصف ایسی شخصیتیں جنم لے چکی ہیں ،جن میں سے اکثریت کے علمی، دینی، فقہی اور ادبی کارناموں سے اہالیانِ کشمیر ابھی بے خبر ہیں۔مفتی ضیاء الدین ازنو، مولوی قمرالدین خاکی، غلام احمد شاہ خاکی مستانہ، مولوی محمد خضرمقبلؔ، شمس الدین مقبلؔ ،عبدلاحد ناظم، غلام مصطفیٰ مصفا، غلام حسن نحویؔ، مولوی محی الدین مہریؔ، مفتی محمد عبداللہ، مفتی محمد مقبول واعظ، نورالدین ناظمی، مولوی غلام رسول امام، اسد شاہ دیو، جیسے نام تاریخ کے اوراق میں انکی خدمات اور کارناموں کے حوالے سے اچھی طرح محفوظ نہیں ہیں۔حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے خلفاء میں سے اکثر وبیشتر عربی وفارسی کے جید علماء تھے۔جناب غازیؒ کے قیام بجبہاڑہ سے یہ قصبہ علم دین کے مقتدر علماء کا مرکز بن گیا تھا اور یہ سلسلہ صدیوں تک قائم رہا ،لیکن

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جسکی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

پرفیسر غلام محمد شادؔ تاریخ ''ادب فارسی''شعر وشاعری اور نکتہ سنجی کے اس سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) کی آخری کڑی ہیں، جن کے گنجینۂ علمی میں فارسی زبان وادب کے انمول لعل وگہر اور کشمیر کی تاریخ وتہذیب کے بیش قیمت مخطوطات ومطبوعات موجود ہیں۔شادؔ صاحب کے کئی خیر خواہ چاہتے ہیں کہ ان کا ذاتی کتب خانہ جدید سہولیات کے ساتھ ڈجیٹلائز ہوجائے تاکہ دستبرد زمانہ سے محفوظ رہے۔یہاں یہ بات واضح رہے کہ پروفیسر شاد صاحب اپنے بچپن کے ایام سے ہی کتابوں کے والہ وشیدائی رہے ہیں۔پاکستان، انگلستان اور ہندوستان کے جس کسی شہر میں انہیں کسی معیاری کتاب

کا نام کانوں میں پڑا، اسے لائے بغیر آرام سے نہیں بیٹھے۔ میرے والد مرحوم خواجہ غلام حسن نحوی جو شاد صاحب کے اولین اساتذہ میں سے تھے، اپنی تخلیقات و نگارشات کے بارے میں اکثر لاپرواہ رہتے تھے۔ انہوں نے فارسی میں ''خطاب بہ کشمیر'' کے زیر عنوان ایک طویل مثنوی تحریر کی تھی۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد شاؔد صاحب نے مذکورہ مثنوی جو انہوں نے سنبھال کر رکھ دی تھی، ایک تفصیلی تبصرہ کے ساتھ بعد راقم کے گھر تشریف لا کر علم دوستی اور اپنے استاد کے تئیں احترام کا مظاہرہ فرما کر واپس لوٹا دی۔ اتنا ہی نہیں ساٹھ سال پہلے میرے دادا مرحوم مولانا مصفاؔ کی کچھ منظوم غیر مطبوعہ تحریرات بھی عنایت فرمائیں۔

پرفیسر غلام محمد شاد اردو، فارسی اور کشمیری تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کر چکے ہیں اگرچہ ان کے کلام میں ہر کسی کا ان سے متفق ہونا بھی ضروری نہیں ہے لیکن پھر بھی اختلاف رائے کی گنجائش کے ساتھ شاد صاحب کا فارسی کلام فکری اور فنی نقطۂ نگاہ سے قابل تعریف و تحسین ہے فارسی کلام میں اساتذہ شعراء کا رنگ و آہنگ، لفظیات اور شعریات کا جا بجا اظہار ملتا ہے۔ اپنے مجموعہ کلام ''شورشِ عہد جنون'' کو شاؔد صاحب نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ حصہ فارسی کلام کا نام ''شب آہنگ'' رکھا ہے۔ حصہ فارسی کو معروف فارسی استاد پروفیسر شمس الدین احمد مرحوم بھی سراہا ہے۔ کشمیر کی موجودہ صورت حال اور اس کے سیاسی و مذہبی راہنماؤں کا فکری جغرافیہ مناجات کی شکل میں یوں پیش کیا گیا ہے ؎

یا الٰہ العالمین کن عفو ہر تقصیر ما
غرق در دریائے خون شد ہر طرف کشمیر ما
روز در فریاد و زاری نیمہ صد سال شد
چوں بہ صحرا شد صدا ہر نالۂ شبگیر ما
حالت ایں قوم چوں رہبانِ اسرائیل شد
فتنہ ہا ہ پیدا کند ملا و شیخ پیر ما

منا بات سے لے کر ''متفرقات'' تک شاد صاحب کشمیر، محسنین کشمیر اور اپنی ذات سے بار بار مخاطب ہو کر اپنے داخلی درد و کرب کا عمدہ اسلوب بیان میں اظہار کرتے ہیں۔ محسن کشمیر حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے حضور میں جو قصیدہ شاد صاحب نے تحریر کیا ہے وہ یقیناً جناب امیرؒ کے احسانات کا بہترین

شعری مرقع ہے، اور کشمیر میں جناب کے تئیں لکھے گئے فارسی مناقب وقصائد میں نہایت معیاری قصیدہ ہے۔

من کجا و مدح آں خورشید انور از کجا
چیست نسبت ذرۂ ناچیز را با آفتاب
سید ابر حال زار مسلم کشمیر بہ بیں
اے دعائے تو بہ پیش حضرت حق مستجاب
دور باشد از ادب طول سخن شادا کنوں
در دعائے دولتش بنمائے تعجیل وشتاب
عالم اسلام را تا باشد از ایماں فروغ
قطرۂ شبنم بود تا زیورِ برگ گلاب

پروفیسر جی۔ایم شاد ایک بسیار نویس مصنف ومؤلف ہیں۔انکی تصانیف میں کشمیری شعری مجموعے، اردو کلام، مونو گراف، تذکرے، کشف الانوار منظوم ترجمہ چہل اسرار اور متعدد تحقیقی پروجکٹ جو ۱۹۵۷ء سے لے کر آج تک منظر عام پر آچکے ہیں اور درجن بھر مسودے طباعت واشاعت کے منتظر ہیں۔اقبال اور غنی کشمیری کی فکری وفنی مماثلتوں پر مبنی ان کی کتاب ایک گراں قدر علمیہ ہوگی۔

پرفیسر جی۔ایم۔شاد ساری عمر شعراء کے دواوین سے دیوانہ وار پیار کرتے آئے ہیں۔ان کا اوڑھنا بچھونا مختلف زبانوں کے شاعروں کا تصور وتخیل رہا ہے، چنانچہ "یادوں کے سلگتے لمحے" کے زیر عنوان تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل مجموعہ طباعت کے بعد منصۂ شہود پر آکر اردو شعر وسخن کے قدردانوں میں قدر ومنزلت کی نظر سے پرکھا جائے گا۔چھوٹی بحروں میں خوبصورت غزلوں سے آراستہ مذکورہ مجموعہ شاد صاحب کی فکر کے متفرق دائروں اور زاویوں کی عکاسی کرتا ہے۔گہرے مشاہدات اور زندگی کے تلخ وشیرین تجربات سے معمور غزلیں رفعت فکر ونظر کی نشاندہی کرتی ہیں۔زندگی کی حقیقت اور ہیئت کا شاعرانہ اظہار اس مختصر غزل کے ان اشعار میں ملتا ہے

ہائے کس شے سے پیار کرتے ہو
اور پھر بار بار کرتے ہو

چپکے سے جاتی ہے دبے پاؤں
عمر کا اعتبار کرتے ہو
کامیابی ہے تیری قسمت میں
حق پہ گر سرشار کرتے ہو
بیش قیمت ہے زندگی کی رِدا
کیوں اسے تار تار کرتے ہو
خوش رہو شاد جی مصائب میں
تم اگر رب کو یار کرتے ہو

پروفیسر شاد صاحب گذشتہ نصف صدی سے اپنی مادری زبان کشمیری کی کسمپرسی پر نالاں ہیں ۔انہوں نے متعدد سمیناروں میں اس تناظر میں بھی مقالات پیش کئے ہیں ۔حال ہی میں شاد صاحب نے کشمیر کے بلند پایہ ولی کامل حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کے تین سو عارفانہ ''شُرکوں'' پر مشتمل گلدستہ ''کلام شیخ العالم'' شائع کیا ہے۔چار سو آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ترجمہ کاری کی یہ شاندار تحریر شاد صاحب کی محنت شاقہ اور اپنے قابل فخر روحانی میراث کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

پروفیسر شاد صاحب کشمیر کے سنجیدہ مورّخ، کئی زبانوں پر یکساں دستگاہ رکھنے والے شاعر وادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پرمزاح شخصیت کے مالک ہیں ۔ریاست اور بیرون ریاست کے ادیبوں کی زندگیوں کے حسن و قبح سے بخوبی آگاہ ہیں ۔مشاعروں ،ریڈیو اور ٹی ۔وی کے پرگراموں میں شمولیت سے ہمیشہ دامن بچاتے رہے سوائے چند شعری نشستوں کے جو راقم الحروف نے کشمیر یونیورسٹی میں گذشتہ برسوں میں آراستہ کی تھیں ۔پروفیسر شاد صاحب ہر اعتبار سے ایک کامیاب اور شاد کام شخص کا نام ہے۔پیرانہ سالی کے باوصف جوانی کا طنطنہ اب بھی زبان و بیان میں باقی ہے اس کالم کو انہی کے چند نعتیہ اشعار پر اختتام کو پہنچاتا ہوں ۔

ساقی کوثر تمہاری اک نگاہ فیض سے
بے نیاز میکدہ ہے ساغر سرشار دل
منبع عرفان و دانش آپ کا کہنا بجا

ٹھیک ہے سارا بدن ہوگا صحیح جب کا رِدل
صاحب نورِ ازل! ممنون تیرا شاد ہے
فیض سے تیرے ہوا وہ محرم اسرارِ دل
ختم شد

## اسلاف......صحابہؓ

وہ دنیا میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر (اقبالؔ)

نہتے تھے مگر تسکین و اطمینان رکھتے تھے
کہ سامان پر نہیں ایمان پر ایمان رکھتے تھے (حفیظؔ جالندھری)

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا (اقبالؔ)

تا خلافت کی بنا ہو پھر جہاں میں استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر (اقبالؔ)

ایمان کی قوت تھی اخلاص کی تھی برکت
اک اک ہزار کا تھا اک اک جوان ہمارا (مجذوبؔ)

# خواجہ غلام مصطفیٰ مصفاؔ

## [چہل ہزار اشعار کا تخلیق کار]

[۲۵دسمبر۱۸۸۰ء۔۔۔۔۱۰جنوری ۱۹۶۶ء]

۱۹۲۰ء کے اوائل میں جنوبی کشمیر کی علم پرور بستی بجبہاڑہ کے معروف و مقبول عربی و فارسی مدرس ،فیصح البیان مبلغ اور بسیار نویس سخنور خواجہ غلام مصطفیٰ مصفاؔ نے اپنی شاہکار مثنوی ''تاریخ الانبیاء'' جو چالیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے تحریر وتصنیف کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعتِ دین کی مصروفیات کے باوجود،رات کی تنہائیوں میں مسلسل چودہ سال صرف کر کے مٹی کے دئے کی مدھم روشنی میں شعر وسخن کے ایسے ہزاروں فانوس اشعار وابیات کی صورت میں روشن کئے ہیں جن سے آئندہ کی نسلیں مستفیض ہوتی رہیں گی

اے مصفاؔ سخنور کانی
کر بہ خونِ جگر قلم رانی
تیز وَس عشقہ یاربل من چھل
دور کرمل تہٕ مشکِ عنبر مل
کرنوائے سَرؤ د بربط وعود
دراَدائ ثنائے خاص وُدُود

ترجمہ:۔اے مصفاؔ تو اصلاً شاعر ہے۔خون جگر سے اپنا قلم استعمال میں لا۔عشق کے دریا میں اتر کر اپنے من کو صاف کر کے میلا پن دور کر اور اپنے او پر مشک عنبر چھڑک دے۔بربط وعود پر اپنے شعر کو چڑھا اور خدائے بزرگ کی خاص تعریف ادا کر۔

قریب ایک صدی پہلے کا یہ دور کشمیر میں معاشی زبوں حالی،سہولیات زندگی کی عدم دستیابی، کتب و رسائل کی کمیابی،صاحب ثروت افراد کی علماء کے تئیں بے توجہی اور شخصی نظام حکومت کی ستم کا عہد ظلم و جہالت تھا۔مفلسی اور تنگ دستی کے اسی پریشان کن دور میں مولانا مصفاؔ نے قرآنی پیغمبروں کے حالات

زندگی، ان کے تبلیغی ودعوتی کارناموں اور انسانی دنیا پر ان کے پاکیزہ کردار کے اثرات کا منظوم لیکن دلنشین انداز بیان میں اظہار فرمایا اور اس سلسلے میں فارسی یا عربی کے بجائے اپنی مادری زبان کشمیری کو اپنا ذریعہ ترسیل بنایا۔

پَرِ دانا دَقائیقاتِ نکات
کأشر بن ٹأٹھ کأشر ابیات

یعنی دانا نکتوں کی گہرائیوں کا مطالعہ کرے، لیکن اہل کشمیر اپنی زبان ہی کے ابیات کو پسند کرتے ہیں۔

چنانچہ مصفاؔ صاحب نے پرانے نوع کے مائل بہ زردی کاغذ پر تاریخ الانبیاء جو سات جلدوں پر مبنی اور چالیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے تحریر کر کے کشمیری زبان وادب کو ایک شاہکار مثنوی سے مالا مال کر دیا۔ اس مثنوی کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ ایک ایسے مستند عالم کے قلم سے تالیف ہو چکی ہے، جن کا تدریسی اور علمی سکہ اس زمانے میں رائج الوقت تھا۔ جن کے بارے میں اس صدی کے عالموں اور ادیبوں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ اگر مولانا مصفاؔ کے پاس سامان کتاب اور معاشی خوشحالی ہوتی، ایران وتوران تک کوئی فارسی دان ان کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ مثنوی تاریخ الانبیاء اگرچہ مصفاؔ نے کشمیری میں لکھی ہے تاہم شروع سے آخر تک لب ولہجہ فارسی اور عربی آمیز ہے۔ یہاں چند اشعار نمونۃً پیش کئے جاتے ہیں۔

حمدِ بے انتہا بسوی خدا
اَلَّذِیْ عَزَّ اِسْمُہٗ اَبَدًا
مَالِکُ الرُّوْحِ مُبْدِئُ الْاَشْبَاح
خَالِقُ الْخَلْقِ فَالِقُ الْاِصْبَاح
جلوہ تہندی چھ ہر طرف مشہود
مُنجلی از مظاہرِ موجود
تس بہرِ جلوہ صد ہزار کمال
اکھ دلیلاہ چھ از جلال وجمال

ہوشہِ کے گوشہِ بوز یا تا کید
در چمن با نگِ کلمہٗ توحید

تاریخ الانبیاء کی شروعات حمدِ باری تعالیٰ، مناجات اور ایک طویل نعتیہ نظم سے ہوتی ہے۔ وحدانیت رب اور مدح سرور کائنات ﷺ میں مصفا نے الفاظ و معنی کے جواہر پارے خون جگر کی گرمی سے ترتیب دئے ہیں۔ وہ اس نور سرمدی ﷺ کو قرآن کے توصیفی کلمات اور شعر کے فنی تلازمات میں گلہائے محبت پیش کرتے ہیں اور کتب سابقہ کی روشنی میں محسن آدمیت ﷺ کو کائنات کا مرکزی نقطہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

نور سرمد پچھؔ سے بہ حسنِ سند
او محمدؐ و اِسمہٗ احمدؐ
بختہِ بڈی سی چھؔ پاک نامس باد
تختہِ محموٗ دچھس مقامس ناو
از ازل تا ابد چھؔ روشن ذاتھ
جَاءَ فِی الْخَلْقِ رَحْمَۃٌ مُھْدَاۃ

راقم الحروف کے جد بزرگوار مولانا غلام مصطفیٰ مصفاؔ اس دور نا ہنجار میں اپنی استعداد کے مطابق عربی و فارسی علوم بالخصوص علومِ اسلامیہ کی تدریس کے کام کے ساتھ ساتھ مشرکانہ عقائد، روایات، توہمات اور سماجی جہالت کے خلاف محدود وسائل کے ساتھ مقامی سطح پر مصروف عمل تھے۔ طبیعت فطرتاً موزون پائی تھی، چنانچہ ان کے ہزاروں شاگردوں کے بیانات کے مطابق مولانا مصفاؔ کسی بھی واقعے، منظر، محفل کا نقشہ بغیر کسی تیاری کے فی البدیہہ کھینچ سکتے تھے۔ ضلع اسلام آباد کے سینکڑوں دیہات اور قصبہ جات سے طلبہ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے تھے۔ طلبہ کے نام، کام، گاؤں، حسب ونسب اور ظاہری شکل وصورت پر برجستہ کوئی مصرعہ، قطعہ، دوبیتی یا رباعی کہکر محفل کو قہقہ زار بنا دیتے تھے۔ قطعات میں ظرافت، طنز اور مزاح کا عنصر غالب ہوتا۔ وہ شعر میں حسن تعلیل اور فن ترشیح پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فن ترشیح میں شاعر اپنا تخلص ہر مصرعہ سے پہلے حرف، دوسرے مصرعے کے پہلے حرف اور اسی طرح مصرعوں کے پہلے حروف کو ملا کر نکال لیتا ہے۔ ایک گاؤں سے گذر رہے تھے کہ اپنے ایک شاگرد

کے صحن میں پہنچ گئے۔شاگرد گھر پر موجود نہیں تھا۔اہل خانے چند لمحے تشریف فرما ہونے کی استدعا کی ۔کہا نہیں البتہ ان سے کہا کہ کاغذ اور قلم لائیے۔ایک شعر لکھ دیا جس میں فن عروض سے انکی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے

نہ کھو وہس نہ چو ہَس نہ دل چھم ملول

فعُو لُن ، فعُو لُنْ ، فعُو لُن ، فعُو ل

بہار کا موسم ہر کسی کے لئے دلکشی کا موجب ہوتا ہے، مگر مصفا مرحوم کو اس موسم سے حد درجہ پیار تھا، بہار آتے ہی مصفا فطرت کا لطف اُٹھانے خاص کر پھولوں کی بوقلمونی دیکھنے کے لئے سر سبز مقامات کی طرف چلے جاتے تھے۔بہاریہ نظمیں پڑھنے اور دوسروں کا دل بہلانے میں مسرت محسوس کرتے تھے۔آپ نے قصہ یوسف وزلیخا میں منظر نگاری کے خوف جوہر کھائے ہیں

ارغواں پوش اوس بادہ فروش

ہوش دارن دپاں گری تونوش

نسترن سنہری پھرن رنگتھ

نیلگوں بسترن اندر شونگتھ

ڈنجہ بلبل گلن وصول ہواں

لنجہِ پتھ لنجہِ پوش نول گوواں

مولانا غلام مصطفٰی مصفا درس وتبلیغ میں شب وروز مصروف رہنے کے سبب تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ وقت صرف نہ کر سکے۔تاہم ان کا شاندار کارنامہ مثنوی تاریخ الانبیاء (سات جلدیں) عسلِ مصفا فی نعوت المصطفٰی چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔تاریخ الانبیا کی ابھی تک صرف تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔جبکہ چار جلدیں ابھی منتظر طباعت ہیں۔ان کے علاوہ مولانا مصفا نے حرز الناصحین، منصور نامہ، فلسفہ معراج (منظوم بہ زبان فارسی) رسالۂ میلاد، کے علاوہ جماعتِ احمدیہ رسالہ المسیح الموعود والامام المہدی المسعود کے جواب میں تصفیۃ المصفا فی خروج المہدی ونزول العیسیٰ جیسی چھوٹی بڑی کتابیں تحریر کیں، جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔وقطعات، رباعیات، مادۂ تواریخ، سنگ مزارات بقعہ جات کے لئے مرصع ومقفٰی اشعار اور فی البدیہہ ابیات کا انہوں نے اپنے پاس کا کوئی

ریکارڈ نہیں رکھا ہے۔تاہم ان ہزاروں طلبہ کے ناموں کی فہرست ایک پرانی ڈائری میں محفوظ ہے جو بیسوی صدی عیسوی کے اوائل میں ان سے درس نظامی میں شامل کتابیں پڑھنے آتے تھے۔حافظے کا عالم یہ تھا کہ درس نظامی میں شامل جملہ کتابیں انھیں از بر تھیں اور دورانِ وعظ وتبلیغ کے انہیں کتاب کا سہارا لینا نہیں پڑھتا تھا۔جنوبی کشمیر کا یہ ممتاز عالم ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو راہی ملک عدم ہوگیا۔ان کا مقبرہ خانقاہِ نصیب الدین غازیؒ سے بالکل متصل ہے لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے

مصفا مبلغ، مدرس، سخنور

بجنت مشرف بجائے منور

☆☆☆

## مغربی تہذیب

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب

کہ روح اس مدنیت کی رہ نہ سکی عفیف (اقبالؔ)

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے (اقبالؔ)

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے

کہ جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں (اکبرؔ)

لاحول ولا قوۃ کیا الٹا زمانہ ہے

عورت تو ہے مردانی اور مرد زنانہ ہے (حفیظؔ)

گذشتہ سے پیوستہ

# شاعرِ عرفانیات عزیز الحسن مجذوبؒ

ڈاکٹر فیض احمد فیاض

اردو کا وہ کون سا شاعر نہیں جس نے اپنی شاعری پر ناز نہ کیا ہو۔ مجذوب کو بھی اپنی شاعری پر ناز تھا چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

شکر خدائے عز و جل لکھی ہے میں نے وہ غزل
جس کا کہیں کوئی بدل کہتا ہوں بر ملا نہیں

لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہم عصر اور قدیم شعراء کے اچھے کلام کو بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تسبیح لئے کچھ گنگنا رہے تھے تو فرمایا شوکت تھانوی کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے ۔

ہر انسان فرض انسانی سے غافل ہوتا جاتا ہے
زمانہ آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

پھر نہ صرف شوکت تھانوی کو اس شعر پر کافی داد دی بلکہ اسی زمین اور ردیف وقافیہ میں ایک غزل بھی کہی اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے
خدا پر چھوڑ دو چارہ گر واب مرحلہ میرا
تم آسان کرتے جاتے ہو یہ مشکل ہوتا جاتا ہے

ایک مرتبہ اپنا یہ شعر ترنم کے ساتھ بار بار پڑھ رہے تھے ۔

زیست کیا ہے ابتدائے درد دل
موت کیا ہے انتہائے درد دل

شبیر علیؒ بھی تشریف فرما تھے، بولے کہ غالبؔ نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر یوں فرمایا ہے ۔

قید حیات و بند و غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مجذوبؔ پھڑک اٹھے اور بولے کہ غضب کر دیا۔ واقعی استاد استاد ہی ہے میرا شعر پھیکا پڑ گیا۔
مجذوب نے نہ صرف دوسروں کی زمین میں غزلیں و نظمیں کہی ہیں (جس کی ایک مثال علامہ اقبالؔ کی مشہور نظم ''ترانہ ہندی'' ع

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا

کی زمین میں ''ترانہ مسلم'' ع

آثار سے ہے ماضی ہر سو عیاں ہمارا

ہے) بلکہ انہوں نے دوسرے شعراء کے اشعار کو اپنے مفہوم میں ادا بھی کیا ہے۔ میر تقی میر کا مشہور شعر ہے ۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

امیر مینائی نے اس شعر کو یوں ادا کیا ۔

یہ کس نے آتے ہی الٹی نقاب چہرے سے
کہ جھلملانے لگے سب چراغ محفل میں کے

اور اب خواجہ صاحب کے اسی مفہوم کا شعر دیکھئے ۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

مجذوبؔ کی ایک ایک غزل پچاسوں اشعاروں پر مشتمل ہے۔ دراصل آمد اس طرح کی ہوتی تھی کہ قلم کو لکھنے کے لئے انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ آمدِ مضمون کو انتظار میں رہنا پڑتا چنانچہ ایک جگہ خود فرماتے ہیں ۔

میں اور غزل ہیں آمدِ مضمون سے دونوں تنگ
لیتا ہوں ایک کو تو ہیں دس انتظار میں

غزل میں جب پچاسوں اشعار ہوں تو ضرور ہر شعر عمدہ نہیں ہوگا یہی ان کے غزل کے ساتھ بھی ہوا چنانچہ

شوکت تھانوی صاحب اپنے مضمون ''شیش محل'' میں ان کی غزلوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''خواجہ صاحب بہت ہی عمدہ کہتے ہیں اور نہایت ہی کیف کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر کسی غزل میں اڑھائی سوا شعار سے کم نہیں کہتے اور پھر انتخاب نہیں کر سکتے کہتے چلے جاتے ہیں اور پھر کہہ چکنے کے بعد سناتے چلے جاتے ہیں۔ اشعار کے ان انباروں میں اچھے برے سبھی قسم کے شعر ہوتے ہیں مگر اچھے زیادہ اور معمولی کم......''

خواجہ صاحب صرف غزل کے شہنشاہ نہیں تھے بلکہ انہوں نے صنفِ نظم میں بھی قلم کے جوہر دکھلائے ہیں۔ ان کی نظمیں خاصا طویل ہیں مگر پڑھتے جاؤ اور سر دھنتے جاؤ اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ طوالت کی وجہ سے ان کی غزلیں اتنی مقبول نہیں ہوئیں جتنی ان کی نظمیں مقبول عام ہوئیں جس نے بھی ان کی نظم پڑھی وہ خراج تحسین پیش کرنے کے بغیر نہیں رہا۔ انہوں نے ملت خوابیدہ کو بیدار کرنے اور انہیں عمل صالح پر اُبھارنے کے لئے ایک طرح کی ہلچل برپا کی۔ مراقبہ موت، درسِ عبرت، پیغام بیداری، مسٹر اور ملا کی نوک جھونک، مسلم کی بیداری، اسلامی سہرا وغیرہ ان کی مقبول نظمیں ہیں۔

''مراقبہ موت مسدس ہئیت میں انتالیس بندوں پر مشتمل ایک ایسی نظم ہے جو نہ صرف موت کو یاد دلاتی ہے بلکہ آخرت پر یقین رکھنے والے قارئین کو موت کی تیاری کرنے کے لئے بھی اُبھارتی ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نبیوں اور ولیوں نے بھی اس کا سامنا کیا ہے یہ پیر و جوان شاہ و گدا کی تمیز بھی نہیں رکھتی بقول شاعر ؎

نہ نبی رہے نہ ولی رہے، نہ غنی رہے نہ سخی رہے
چلے جا رہے ہیں کشاں کشاں کوئی قید پیر و جوان نہیں

لیکن کامیاب و کامران وہی لوگ ہیں جو آخرت کی تیاری کر کے اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے یہی اس نظم کا مرکزی خیال بھی ہے۔ ''اصلی گھر'' نام سے یہ نظم بھی بہت مشہور ہوئی ہے ؎

دار دنیا کی سجاوٹ پر نہ جا — نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا
پھر وہاں پس چین کی بنسی بجا — انہٗ قد فاز فوزٌ من نجا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخرت موت ہے

اس بند کا آخری شعر بطور ٹیپ شعر نظم کے ہر بند میں دہرایا گیا ہے۔

"درسِ عبرت" بھی ایک ایسی نظم ہے جو سینکڑوں لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنی ہے۔ اس نظم کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ دنیا جی لگانے کے قابل نہیں بلکہ عبرت کی جگہ ہے۔ مسدس ہیئت میں تیرہ بندوں پر یہ خوبصورت اور بصیرت افروز نظم جب عالم اسلام کے مشہور داعیوں خاص طور پر مولانا طارق جمیل اور حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی کی زبان سے لاکھوں سامعین کے سامنے ایک مخصوص اور دردبھرے لہجے میں ادا ہوتی ہے تو لوگ عالم اسباب کو بھول کر عالم حقیقی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس نظم کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

آخری شعر نظم کے ہر بند میں بطور ٹیپ شعر استعمال ہوا ہے۔

"پیغام بیداری" مجذوب کی طویل نظم ہے۔ یہ نظم مسدس ہیت میں ہی ایک سو نو بندوں پر مشتمل ہے۔ اس نظم کا بنیادی موضوع "ترغیب اتحاد و عمل اور آہنی جنگ" ہے چنانچہ نظم کی ابتداء سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

مسلمانو کرو اب جنگ آہنی کی تیاری
اُٹھو اے نیند کے مارو سنو پیغام کی بیداری

اس نظم کے ابتدائی بندوں میں مجذوب نے مسلمانوں کی غفلت، یہود و ہنود کی تقلید کے نقصانات، بتوں یعنی ہندوں کی مسلمانوں پر سیاسی تفوق وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے اس کے بعد مسلمانوں کو صحابہ و اسلاف کے جملہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ابھارا ہے پھر اتحاد و اتفاق سے رہنے اور یقین محکم، عمل پیہم اور خلوص کی باطنی وردی پہن کر میدان کارزار میں کودنے کی ترغیب دی ہے اور آخر پر یہ دعا کر کے نظم کو کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچایا ہے۔

تمہیں اللہ پھر مخدوم کر دے، محترم کر دے
سروسامانِ اعزازِ دو عالم پھر بہم کر دے

اس نظم کے اکثر اشعار میں قرآنی تلمیحات ہیں مثلاً یہ اشعار۔

بڑھو وہ تیغِ بُرّان بن کے ایمان جس کا جوہر ہو
کہ حسب وعدہ قبضہ میں تمھارے بحر ہو بر ہو

وعداللہ الذین آمنو منکم و عملو الصّٰلحت لیستخلفنکم فی الارض

نہ ہرگز کامران سعی گہ و بیگاہ سے ہو گے
نہ جب تک مل کے سب وابستہ حبل اللہ سے ہو گے

واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً وّلا تفرقوا

یہ بداعمالیاں چھوڑ دو اگر فتح وظفر چاہو
خدا کے تم بنو پہلے خدا بھی پھر تمہارا ہو

(من کان اللہ کان لہو)

علامہ اقبالؒ کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے انہوں نے ہر وقت نام کے مسلمان کو کام کا مسلمان بننے کے لئے اُبھارا ہے۔ ان کی فکر کا جو خاص موضوع ہے وہ ''حرکت وعمل'' ہی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کبھی ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے تو کبھی طنزیہ انداز۔ کبھی اسلاف کی کامیابی کا راز بتا کر ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے تو کبھی متکلمین غائب کے درمیان مکالمہ کرا کر فکر وعمل کی کوئی اہم بات افشاء کی ہے مثال کے طور پر جواب شکوہ کا یہ بند ؎

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

عزیز الحسن مجذوبؒ نے بھی امت مسلمہ کو عمل کے لئے اُبھارا ہے خاص طور پر اس نظم میں لیکن اسلوب جداگانہ ہے مثال کے طور پر یہ بند ؎

ابھی کیا ہے ابھی کرنا بہت کچھ کام باقی ہے      ابھی کرنی بہت کچھ خدمت اسلام باقی ہے

ابھی ذمہ تمھارے یہ بڑا الزام باقی ہے کہ مسلم اب کہاں مسلم کا بس اب نام باقی ہے
مسلمانو ! اُٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بہر حال یہ نظم ہر طرح سے "کشکول مجذوبؔ" کی جان ہے۔

"مسٹر اور ملا کی نوک جھونک" مجذوب کی سب سے طویل نظم ہے۔ دراصل یہ نظم پردہ کے متعلق ایک نہایت پُر لطف اور فیصلہ کن مناظرہ ہے اس نظم میں مجذوب نے ظریفانہ انداز میں مسٹر کو بے پردگی کی حمایت میں بول کر شکست فاش دی ہے۔ عصر حاضر میں مسلم خواتین نے جہاں دوسرے میدانوں میں غیروں کی کورانہ تقلید کی ہے وہیں لباس میں ان کے شانہ بہ شانہ چل کر نہ صرف خود خدا کی رحمت سے کوسوں دور ہوئے ہیں بلکہ مردوں کو بھی کئی بڑے بڑے گناہوں کی طرف راغب کر کے ان کی آخرت برباد کی ہے۔ اغوا، زنا اور قتل جیسے سنگین جُرم ایک طرح سے بے پردگی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے مرحوم اکبر الٰہ آبادی نے سچ کہا۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا اے بیبیو! تمہارا پردہ گیا کہاں بولیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اس نظم میں مسٹر بے پردگی کی اہمیت جتانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں لیکن مجذوبؔ اپنی فراست سے عقل اور تجربہ کی روشنی میں بے پردگی کی رد کر کے مسٹر کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر نہ صرف ہکا بکا کر دیتے ہیں بلکہ کراری شکست بھی دے دیتے ہیں۔

نظم اگر طویل ہو تو قاری کبھی کبھی اکتاہٹ بھی محسوس کرتا ہے لیکن ظریفانہ انداز میں پیش کی جائے تو یہ دل برداشتہ نہیں ہوتا ہے

مجذوبؔ نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ "المزاح فی الکلام کالملح فی الطعامؔ"
یعنی ؎

بے لطف ہے جو ہو نہ ظرافت کلام میں
بے ذائقہ ہے ہو نہ نمک جس طعام میں

کے مصداق مجذوبؔ نے ظرافت ہی ظرافت کے انداز میں سبق آموز نصیحت کی ہے۔ ادب نواز اور بذلہ سنج قارئین کے لئے اس میں تفنن طبع کا سامان بھی ہے اور حفاظت ایمان بھی ۔

نمک دان ظرافت اک مکمل درس عبرت ہے
ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت ہی نصیحت ہے

مجذوب نے دوسرے نظموں کی طرح یہ نظم بھی جوہر قلم دکھانے کے لئے نہیں لکھی جیسے کئی اردو شعرا کا طریق اور مشغلہ رہا ہے بلکہ یہ غرض تھی کہ مسلمان "عليكم بسنتي وسنت خلفاء راشلين" حدیث پر عمل پیرا ہو جائیں۔ چنانچہ اس نظم کی ابتداء میں ظہورالحسن کسولوی رقمطراز ہیں:۔

"یہ مجموعہ منظوم مناظرہ ہے ایک فرضی مسٹر اور ایک فرضی ملا کے درمیان پردہ نسواں کے متعلق جس کو ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مذہبی اصلاح کی غرض سے شائع کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اسلامی شعائر کو دوسروں کی کورانہ تقلید کر کے پس پشت نہ ڈال دیں۔" اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

کیا فیشن نے سب کو واقف اسرار پنہانی
کہ پیرہن میں بھی آنکھوں نے لوٹا لطف عریانی
اُلٹ دی جب نقابِ رخ تو پھر کیا پاک دامانی
یہ چہرہ کھولنا ہے پردہ در تمہیدِ عریانی
نہ کریوں طعن اے روشن دماغِ تیرہ دل ہم پر
ہے رسم پردہ وہ ظلمت جو در پردہ ہے نورانی
کرے گا منتشر شیرازۂ عالم کو ہی اک دن
ہوا خوری میں زلفوں کا یہ اندازِ پریشانی
اُٹھا پردہ تو دنیا سے شرافت بھی اُٹھی سمجھو
نہ پھر سید، نہ صدیقی، نہ فاروقی نہ عثمانی
ہوئی۔ بے پردگی سے کیسی گڈ مڈ نسل انسانی
کہ ماں ہندی ہے باپ افغان ہے اور بیٹی ہے مغلانی
ارے باہر کے کاموں کو لیے ہے مرد ہی موزوں
امور خانہ دار کے لئے ہے صنف نسوانی

نظم کے آخر میں ملا، مسٹر اور اس جیسے ہزاروں روشن دماغ لوگوں کو حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کی

صحبت میں آ کر روحانی فیض حاصل کرنے کی صلاح دیتا ہے۔ (یہاں پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ تھانوی صاحبؒ کو رحمت حق ہوئے ستر (۷۰) سال ہوئے ہیں ان کی صحبت کیونکر اختیار کی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ اگرچہ زندہ نہیں ہیں لیکن ان کی پچاسوں روح افزاء تصنیفات تو زندہ ہیں جن کے مطالعہ سے فیض حاصل کیا سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک شعر میں پیر رومیؒ کی صحبت میں ایک راز جاننے کا ذکر کیا ہے حالانکہ اقبال اور رومیؒ کے درمیان تقریباً سات صدیوں کا فرق ہے ؎

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

اور پھر "صلح" ذیلی عنوان کے تحت اشعار میں مسٹر سے صلح کرنے کی بات ہے فرماتے ہیں کہ پردہ جو کہ شرعاً ضروری ہے اس کی حمایت مقصود تھی نہ کہ اپنی بڑائی۔ آخری دو اشعار میں خاتمہ بالخیر کی یوں دعا دے کے نظم کو بھی اختتام تک پہنچا دیتے ہیں

ابھی اپنے کو کیا سمجھے کسی کو کیا کہے کوئی
کہ سب ہے خاتمہ پر منحصر انجام انسانی
خدا ہی شرم رکھ لے، میری، تیری سب کی اے مسٹر
چلیں سب لے کے اس ظلمت کدہ سے نور ایمانی

(جاری)

گذشتہ سے پیوستہ

# ﴿شرعی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال و جواب کی روشنی میں﴾

عاصی غلام نبی وانی سرپرست ماہنامہ راہِ نجات

## [امام صاحبؒ کے بیٹے کا بیان کردہ ایک واقعہ]

امام احمدؒ کے ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ وہ ایک بڑا محدث تھا۔ اسکا بیان ہے کہ ایک روز نماز تہجد کے وقت امام صاحبؒ ابا الھیثم رحم اللہ ابا الھیثم۔ کہہ کر اس شخص کا نام لے کے دعا کر رہے تھے اے اللہ ابا الہیثم پر رحم فرما۔ میں نے سوچا کہ شاید والد صاحب کو کسی شفیق استاد کی یاد آرہی ہے جن کے لئے یہ دعا کر رہے ہیں یا کوئی مخلص خدمت گار یا کوئی شاگرد یاد آرہا ہے جس کے لئے اس مبارک وقت میں دعا کر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ میرے ابا! کس خوش قسمت انسان کے لئے آپ ایسے وقت میں دعا فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا۔ بغداد کے مشہور ڈاکو ابو الھیثم کے لئے۔ اس ڈاکو کا نام سن کر میں حیران ہوا۔ فرمایا اس میں حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں ہے ۔ واقعہ یوں ہے کہ جب جیل میں میرے اوپر ظلم وتشدد حد سے گزر گیا تو ایک دن میں اس سوچ و بچار میں غرق ہو گیا کہ عالم اسلام کے تمام علماء خاموش ہیں، کہیں مجھے ہی غلطی نہ لگ گئی ہو۔ میں اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک جوان آدمی جس کے دونوں بازوں مونڈھوں سے کٹے ہوئے تھے مجھے کہنے لگا۔ جانتے ہو۔ میں کون ہوں؟ میں کہا نہیں۔ اس نے کہا میں بغداد کا مشہور ڈاکو ''ابوالہیثم'' ہوں۔ کئی مرتبہ جیل میں آچکا ہوں۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکہ نہایت گندہ پیشہ ہے۔ ہمارے خوف کی وجہ سے لوگ ہماری عزت کرتے ہیں۔ لیکن مجھے جب جیل سے رہائی ملتی ہے تو فوراً ڈاکہ ڈالتا یا ڈلواتا ہوں۔ میں نے صاف اور واضح طریقے سے حکومت سے کہا کہ تم جتنا زور لگانا چاہو لگالو۔ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے میں ڈاکے سے باز نہیں آسکتا۔ لیکن اے امام! آپ راہِ حق کے مسافر ہیں، عزیمت کے علمبردار، سچے اور حق گو ہیں۔ آپکا موقف صحیح اور آپ کی دعوت سچی ہے۔ حکومت کے تشدد سے کہیں گھبرا نہ جانا۔ استقامت اور عزیمت کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا۔ آپ کو مٹانے والے ہی مٹ جائیں گے۔ آپ ہمیشہ زندہ اور باقی رہیں گے۔ یہ ڈاکو تو چلا گیا لیکن اس نے میرے پاؤں میں استقامت کی میخیں گاڑ دیں۔ اگر اس وقت ابوالھیثم میرے پاس نہ آتا تو ممکن تھا میں اپنے موقف میں تبدیلی کرتا۔ یا معافی مانگ کر رہائی

حاصل کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابوالہیثم میرا محسن تھا۔ ایسے احسان کرنے والوں کے لئے ان مبارک اوقات میں خلوص سے دعا کرنا اپنا اخلاقی فرق سمجھتا ہوں (بحوالہ تحریک اہل حدیث صفحہ ۱۷ سے ۷۵ تک)

سوال نمبر۲:۔ فضائل انبیاء بر ملائکہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طبقہ انسان کے مخصوص افراد یعنی انبیاء اور رسول، خاص اور مقرب ملائکہ سے افضل ہیں اور اولیاء و متقی، عام فرشتوں سے افضل قرار دئے گئے ہیں اور مقرب فرشتے تو وہ عام انسانوں سے بہر حال افضل کہے جائیں گے۔ یہ تحقیق بالکل اجماعی ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ مقرب فرشتوں کے مقابلہ میں انبیاء اور رسول کی فضیلت کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ اور سجدہ ایک ایسی خدمت ہے جس سے عبودیت اور تذلل کا کامل طور پر اظہار کیا جاتا ہے اور ادنیٰ ہی اعلیٰ کو کرتا ہے پس جب آدم کی فضیلت اس طرح ثابت ہو گی تو کیونکہ تما انبیاء ہم رتبہ اور مساوی المرتبہ ہیں تو اس طرح تمام انبیاء اور رسل کی فضیلت خاص خاص فرشتوں کے مقابلہ میں بھی ثابت ہو جائے گی (بحوالۂ ایمان کیا ہے تصنیف عبدالحق صفحہ ۲۴۴)

سوال نمبر۳:۔ فضیلت صحابہ یکے بعد دیگرے سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کو بھی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سب صحابہ سے زیادہ افضل ہیں پھر حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ یعنی خلافت کی ترتیب کے مطابق۔ (بحوالہ ایمان کیا ہے)

اس کے بعد اس امت میں سب سے زیادہ افضل عشرہ مبشرہ ہیں یہ وہ (دس) صحابہ ہیں جن کو آنحضور ﷺ نے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن جبیرؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ۔

## مجاہدین بدر

عشرہ مبشرہ کے بعد اسلام میں پھر سب سے افضل مجاھدین اور شہدائے بدر ہیں۔

## احد اور اس کے مجاہدین

اہل بدر کے بعد پھر فضیلت، احد میں شریک ہونے والوں کے لئے ہے۔

## بیعت رضوان

احد کے بعد وہ لوگ افضل ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی۔ بیعت رضوان وہ بیعت ہے جو کہ مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر کی۔اس کے بعد دوسرے صحابہ بھی اپنی اپنی خدمات کے مطابق فضیلت کے مستحق ہے

## اہل علم اور تقویٰ

اصحاب النبی ﷺ کے بعد فضیلت اہل علم اور تقویٰ کو ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ انّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم یعنی بے شک تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے بڑا عزت والا ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہو۔

## بہشت کی شہزادی

ایک حدیث میں ہے حضرت فاطمہؓ بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔اور حسن اور حسینؓ نو جوانانِ فردوس کے سردار ہیں۔ایک اور حدیث ہے کہ تمام عورتوں میں سب سے افضل فاطمہ،خدیجہ ،عائشہ،مریم اور آسیہ ہیں (بحوالہ ایمان کیا ہے)

سوال:۔امامت کے بارے میں شیعہ لوگوں کا کیا نظریہ ہے؟ خلافت کا انکار کرنے سے کیا احادیث کا انکار ہوتا ہے یا نہیں؟ یا قرآن مجید کی آیتوں پر اس انکار کا کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب:۔شیعہ فرقہ کے لوگ اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور غلو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حد سے گذر جاتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت ابو بکرؓ و عمر فاروقؓ و عثمان ذی النورینؓ کو خاطی (جان بوجھ کر خطا کرنے والے) اور بُرا کہتے ہیں اور اپنی طرف سے نئی ایجاد کی ہوئی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے بہت سی صحیح حدیثوں کا انکار کرتے ہیں۔اپنی طرف سے قائم کی ہوئی یہ باتیں اکثر زیادتی پر مبنی ہوتی ہیں اور ان میں یہ لوگ حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔قرآن مجید کی آیات کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ایسا کر کے روز بہ روز آہستہ آہستہ اماموں کے تعین کرنے میں ان کی آپس میں بھی متعدد فرقے ہو گئے مثلاً خوارج و نواصب جو آجکل مسقط میں رہتے ہیں۔حضرت علیؓ،امام حسینؓ اور عثمان اور وہ صحابہ کرام جو آپس میں سردار قائم کرنے میں اختلاف کرتے تھے اور ان کو قتال و جدال **(fight and Contention)** کی نوبت پہنچی ان کو سب بُرا کہتے ہیں جن میں معاویہؓ اور ان کے مددگار بھی آ گئے۔یہ عقیدہ اپنانے

سے اُن احادیث کا انکار ہوتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ خلافت ہمارے بعد تیس سال تک قائم رہے گی اور علماء نے اس کا حساب لگا کر معلوم کرلیا کہ یہ خلافت حضرت علیؓ کے دورِ امارت تک قائم رہی اور حضرت امام حسینؓ کی خلافت کے چھ مہینے بھی اسی میں شمار ہوتے ہیں اور کل ملا کر تیس سال بنتے ہیں۔ اسی طرح خلیفہ اور خلافت کا تذکرہ جو قرآن میں آیا ہے اس پر پانی پھر جاتا ہے۔ خلافت اور امامت کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے ایک مستقل رسالے کی ضرورت ہے اور کئی حضرات نے اس پر رسایل لکھ کر خلافت کی اہمیت اور حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ ( **وعد اللہ الذین آمنو**) والی آیت میں ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے ساتھ خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے شیعہ حضرات کے نزدیک امامت کا ایک الگ تصور ہے جو سنی مسلمانوں کے کہنے کے مطابق حضرت علیؓ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

## امامت

امامت کے معنی پیشوائی کے ہیں خواہ باعتبار دین کے ہو یا باعتبار دنیا کے اس لئے امام کا اطلاق تین معنی پر آتا ہے:

(۱) جو فقط دین میں پیشوا ہو جیسے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ اور آیت **وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا** اور آیت **وجعلنا للمتقین اماما** اور دنیاوی امور میں پیشوائی مراد ہے۔

(۲) جو فقط ظاہری اور دنیاوی امور میں پیشوا ہو۔ اس لحاظ سے امامت بمعنی بادشاہت اور ریاست اور امام بھی بمعنی بادشاہ اور رئیس مستعمل ہوتا ہے۔

(۳) اور کبھی دینی اور ظاہری اور باطنی امور میں پیشوائی پر امامت کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی خلافت راشدہ ہے جو پانچ شخصوں میں منحصر ہے خلفائے اربعہ اور امام حسنؓ۔ اور اسی وجہ سے خلافت میں ہر جگہ فی الارض کی قید لگائی گئی ہے۔ **لیستخلفنهم فی الارض ،نجعلکم خلفاء الارض ،هو الذی جعلکم خلائف فی الارض، انی جاعل فی الارض خلیفه** ۔ دیکھو خلافت راشدہ از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۔

سوال: ۔ کیا نظریہ امامت کو ماننے والے لوگ سب آپس میں متفق و متحد ہیں یا اُن کے بھی کئی فرقے ہوگئے؟

(جواب) ان لوگوں میں آپس میں بھی کئی فرقے ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی صفات کو جو قرآن مجید میں اس کی پاک ذات کے متعلق بیان ہوئے ہیں مثلاً اِستَوىٰ عَلَى العَرشِ وقدم وساق و وَجهُ و یدان ان سب کو ظاہری معنی پر گمان کرتے ہیں اور جسمانیت کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا اور تاویل کر دی۔ اسی طرح اس قسم کے مسائل میں ان لوگوں نے اختلاف کئے اور اختلاف کرنے والے اصحاب کے ساتھ جو لوگ جڑتے گئے وہ ان ناموں سے نامزد ہوئے۔ مسلمانوں کے جو بہتر فرقے ہیں ان کو اکثر ایسی ہی باتوں میں اختلاف ہے یہاں ان لوگوں کا تذکرہ ہم نہیں کریں گے جنہوں نے صراحت کے ساتھ بیان کئے ہوئے احکام کا انکار کیا اور وہ اس طرح دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

سوال: اس اختلاف کی وجہ یہ امت کتنے فرقوں میں بٹ گئی؟

(جواب) اس اختلاف کی وجہ سے یہ امت ۷۲ فرقوں میں بٹ گئی۔ اور ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔

سوال:۔ یہ سب فرقے آج تک امت میں موجود ہیں یا کچھ مٹ گئے؟

جواب: ان بہتر فرقوں میں سے غالباً شیعہ اور خوارج موجود ہیں باقی مختصر زمانے میں ہی مٹ گئے۔

سوال:۔ ان تمام فرقوں میں سب سے بڑا فرقہ کون سا ہے جو اب تک اصول دینیہ میں اختلاف سے پاک ہے۔

(جواب) ان تمام فرقوں میں اہل سنت والجماعت کا فریق ہی ایسا ہے جو پورے روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ شیعہ وخوارج کی تعداد ان کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے دریا کے مقابلے میں ایک دو قطرے۔ خدا کا شکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت مرحومہ آج تک اصول دینیہ کے اختلاف سے پاک وصاف ہے۔ اور ان کا قرآن مجید تحریف وتغیر سے **(Altration and removal)** سے محفوظ ہے۔ اور صرف چند جزعیات فرعیہ **(Parts of religious doctrine)** میں ان کا کچھ باہمی اختلاف ہے مثلاً امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا بعض فقہی مسائل میں اختلاف ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جس سے دونوں کو الگ الگ فریق سمجھا جاوے۔ کیوں کہ اصول سب کا ایک ہے اور صرف اجتہادی مسائل میں اپنی سمجھ اور احادیث کے صحت وضعف اور ان کے معانی سمجھنے کا

فرق ہے۔ایسا اختلاف صحابہ وتابعین میں بھی تھا اور اس کا ہونا خلاف عقل بھی نہیں کیوں کہ ہر ایک کی سمجھ اور علم اور حفظ **(Memory)** ایک ہی طرح کا نہیں۔

سوال:۔کون لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج کئے گئے؟

جواب:۔شیعہ وخوارج ،جبریہ وقدریہ اور معتزلہ جو آپس میں بھی ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں ان سب کو اہل سنت والجماعت سے خارج کیا گیا۔

سوال:۔اہل سنت والجماعت سے خارج ہونے کے باوجود اگر کوئی اصل الاصول اعتقادیات میں ان ہی عقائد کا معتقد **(Believer)** ہوگا جو اہل سنت والجماعت کے ہیں مگر اجماع امت **(Unanimous Consent of great religious leaders on certain pionts of law)** کو رد کرے گا اُس کو کیا کہا جاوے؟

(جواب) ایسے لوگوں کو گمراہ فرقہ تصور کیا جائے گا۔کیوں کہ اس اصول کو رد کرنے کے بعد اسلام کا پورا ڈھانچہ کھوکھلا **(Hollow)** بن جاتا ہے۔

سوال:۔"**اصل الاصول**" کن باتوں کو کہتے ہیں؟

جواب "**اصل الاصول**" چھ باتوں کو کہتے ہیں جیسا کہ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے عقائد الاسلام میں لکھا ہے:

**اول** : یہ کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ازلی،ابدی ہے،عالم کا پیدا کرنے والا ہے۔سب عیبوں سے پاک ہے۔اچھے اوصاف کا مالک ہے۔پورے عالم پر ہر طرح سے اسی کا قبضہ اور تصرف ہے۔

**دوم**: یہ کہ حضرت محمدؐ اس کے برگزیدہ بندے اور اس کے سچے رسول ہیں جو کچھ اس نے اپنے رسول پر نازل کیا اور جو کچھ رسول پاک نہیں فرمایا وہ برحق ہے۔مطلب یہ کہ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ** جس نے زبان سے پڑھا اور دل میں اس کا یقین لایا وہ مومن ہوگیا اس کی یقیناً نجات ہے بشرطیکہ نص (صاف اور واضح حکم) قرآن کا منکر نہ ہو۔اسی کو ایمان اجمالی بھی کہتے ہیں۔

**سوم**: فرشتے اللہ کے پاک بندے ہیں۔ان میں سے ایک خاص فرشتہ وحی لانے پر معمور ہے یعنی جبرئیلؑ۔

چہارم : قرآنِ مجید اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ اور اسی طرح سے اس سے پہلے جو کتابیں اس نے اگلے نبیوں پر نازل کی تھیں جیسا کہ تورات حضرت موسیٰؑ پر، انجیل حضرت عیسیٰؑ پر، زبور حضرت داؤد علیہم السلام پر۔

پنجم: اس کے جس قدر بھیجے ہوئے رسول اور نبی دنیا میں آئے وہ سب برحق ہیں۔

ششم: قیامت آئے گی۔ مر کر لوگ دوبارہ زندہ ہوگے۔ اپنی نیکی اور بدی کا بدلہ پائیں گے۔ نیک لوگ جنت میں اور برے دوزخ میں رہیں گے۔ یہ مطلب ہے امنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الآخر کا۔ یہ چھ باتیں عقائد کی اصل الاصول (Fundamental Articles of Faith) ہیں

اسی طرح (اصول عبادات واحکام) میں بھی تمام فرقے متفق ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) کلمہ طیبہ کا اقرار اور یقین کرنا (۲) پانچوں نمازوں کا ادا کرنا (۳) رمضان کے روزے رکھنا (۴) مال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دینا (۵) استطاعت ہو تو حج کرنا۔

اس کے علاوہ نماز کی تعداد رکعات بلکہ پانچوں احکام کے متعلق وہ باتیں جو قرآن سے صاف ثابت ہیں ان میں بھی کسی کا اختلاف نہیں۔ اسی طرح جو چیزیں نص قطعی (Clear and final order of Quran) سے ثابت ہیں ان میں بھی کسی کا اختلاف نہیں۔ اسی طرح جو چیزیں نصِ قطعی سے حرام ہیں جیسا کہ زنا، چوری، جھوٹ بولنا، ناحق قتل کرنا، غیبت کرنا وغیرہ اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں۔ اگرچہ اس قسم کی صاف اور صریح باتیں عقائد کی کتابوں میں عقیدہ بنا کے لکھنی چاہیے تھیں لیکن اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ صرف ان ہی تین قسم کے عقائد درج کرنے کی ضرورت ہوئی۔

سوال: ان تین اقسام کو ایک بار پھر بیان کیا جائے؟

جواب: (۱) اول وہی چھ عقیدے جو ابھی بیان کئے گئے۔

(۲) وہ بنیادی باتیں جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہیں اور جن کے ثبوت پر شریعت کا مدار ہے۔ یا اکثر باتیں شرع کی اُن پر موقوف (Depend on) ہیں۔ مثلاً (۱) ثبوت باری تعالیٰ (۲) ثبوت صفات باری تعالیٰ (۳) ثبوت نبوت و (۴) مسئلہ عصمت انبیاءؑ (۵) عصمت ملائکہ (۶) ثبوت حقائق

الاشیاء(۷)علم حقائق الاشیاء(۸)حدوث عالم۔یہ مسائل بھی اول قسم کے قریب ہیں۔
(۳)وہ عقائد جن میں اختلاف کر کے اور فرقے اہل سنت والجماعت سے جدا ہو گئے۔

## باب اول
## ثبوت باری تعالیٰ

سوال: کیا اللہ کے موجود ہونے میں کسی عقلمند کو شک ہے؟

جواب: اللہ کے موجود ہونے میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہے۔ بلکہ اس کا موجود ہونا ہر شخص پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔اور اللہ کے ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے۔جیسے کہ اللہ اپنے پاک کلام میں خود فرماتا ہے۔فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا (سورہ روم) ترجمہ: اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر چلو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے۔کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے ،اس کی توحید کا قائل ہو،اور اس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرے۔اسی کو آیت میں فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے(توضیح القرآن از مفتی محمد تقی عثمانی)اور اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: وما من مولودٍ اِلّا یولد علی الفطرۃ (متفق علیہ) یعنی اللہ نے ہر انسان کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے۔" جتنے بھی پیغمبر اس دنیا میں آئے ان سبھوں نے اپنی امتوں کو توحید (Oneness of God) سکھایا۔اللہ کے موجود ہونے میں گفتگو نہیں کرتے تھے کیوں کہ اس کا تو ہر شخص کو اقرار تھا۔معلوم ہوا کہ اللہ کے موجود ہونے پر دلیل کی حاجت نہیں۔ ہر انسان کائنات کو دیکھ کر خود بخود یقین کرے گا کہ بے شک کسی کے پیدا کرنے سے یہ زمین و آسمان، پتھر اور درخت ،انسان و حیوان پیدا ہوئے ہیں۔آخر کوئی تو ہے جس نے ان کو نابود سے بود کیا ۔یعنی معدوم (Non.existent) سے موجود (existent) کیا۔اور اس کے بعد جس طرح سے چاہتا ہے اس میں تصرف (Change) کرتا ہے۔جس طرح ایک شخص کو تخت شاہی دیکھ کر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی بنانے والا اس کا ضرور ہے خود بہ خود اس کا ہونا ناممکن ہے ۔کیوں کہ سبز درختوں کے تختوں اور لوہے کی کیلوں کا خود بہ خود سلیقے سے ایک ترتیب کے ساتھ جمع ہونا بغیر کسی کاریگر کے ناممکن ہے لہٰذا جس طرح تخت کے بنانے والے کا بغیر دیکھے یقین کامل ہو جاتا ہے اسی طرح مخلوقات کو دیکھ کر اُن کے پیدا کرنے والے کا یقین کامل بغیر دیکھے خود بہ خود ہو جاتا ہے۔ایک

اعرابی نے اس حقیقت کا اقرار کس بہترین انداز سے کیا ہے۔ اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ وَ اَثَرُ الْاَقْدَامِ عَلَی الْمَسِیْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَالْاَرْضُ ذَاتُ اَفْجَاجٍ لَا تَدُلَّانِ عَلَی الصَّانِعِ اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ (ترجمہ) جبکہ اونٹ کی مینگنی دیکھ کر بغیر دیکھے اونٹ کے ہونے کا یقینِ کامل ہو جاتا ہے اور اسی طرح آدمی یا کسی اور کے پاؤں کے نقش دیکھنے سے یقین آتا ہے کہ بلاشبہ یہ نقشِ پا کسی نہ کسی کے پاؤں سے ہوا ہے تو پھر کیا ستاروں والے بلند آسمان اور کشادہ راستوں کی زمین دیکھنے سے اللہ کے ہونے کا یقین نہ ہوگا جو لطیف و خبیر ہے۔

☆☆☆ جاری ☆☆☆

## مطالعہ

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ — ہے چشمِ دل کے واسطے کاجل مطالعہ
یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق — جو دیکھتے ہیں غور سے اوّل مطالعہ
ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق و شوق سے — کرتے نہیں ہیں احمق و اجہل مطالعہ
ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے — ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ
کھلتے ہیں رازِ علم کے انھیں کے قلوب پر — جو دیکھتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ
اسعدؔ مطالعہ میں گزاروں تمام عمر — ہے علم و فضل کے لئے مشعل مطالعہ

(اسعدؔ)

گذشتہ سے پیوستہ

# تصوف اسلامی

## ﴿درس مثنوی﴾

هر شبے از دامِ تن ارواح را — می رہائی می کُنی الواح را
می رهند ارواح هر شب زیں قفس — فارغاں بے حاکم و محکومِ کس
شب زنداں بے خبر زندانیاں — شب ز دولت بے خبر سلطانیاں
نے غم و اندیشۂ سود و زیاں — نے خیال ایں فلان وآں فلاں
حال عارف ایں بود بیخواب ہم — گفت یزداں ہم رُقُودٌ زیں مرَم

(ترجمہ)

(۱) روحوں کو بدن کے جال سے ہر شب تو رہا کر دیتا ہے، تختیاں اکھاڑ دیتا ہے۔

(۲) روحیں ہر شب اس پنجرے (جسم) سے چھوٹ جاتے ہیں۔ فارغ البال بغیر افسری اور ماتحتی کے۔

(۳) (جس طرح رات کو قیدی) قید قانہ سے بے خبر ہوتے ہیں اور رات کو کارکنان سلطنت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

(۴) نہ کسی کو فائدہ اور نقصان کا غم وفکر۔ نہ اس فلانے اور اس فلانے کا خیال۔

(۵) خداشناس کی یہ حالت بغیر نید کے بھی ہوتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ وہ سوئے ہوئے ہیں اس سے نہ بھاگ۔

## فضل باری تعالیٰ کی برکات

اگر ایک بندہ اخلاص اور دل کی لگن کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو مولانا رومیؒ چند مثالوں سے ہمیں سمجھاتے ہیں کہ اللہ کس طرح ایک بندے کو نفس اور شیطان کے شر سے چھڑا سکتے ہیں مثلاً اسی طرح سے چھڑا سکتے ہیں جس طرح سوتے وقت اللہ ہماری روح کو ہمارے جسم سے چھڑاتے ہیں۔ روح ہمارے جسم میں دن بھر قید رہتی ہے اور ہمارا یہ جسم دن بھر اس کے لئے ایک جال بن جاتا ہے

جواس کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا ہے لیکن اللہ رات کے وقت اس قیدی روح کو بند سے چھڑا دیتے ہیں گویا جسم کے قید خانہ کے تختے اور دروازے توڑ کر روحوں کو آزدی عطا کرتے ہیں اور اس طرح ہر رات کو روحیں بدن کے پنجرے سے چھوٹ جاتی ہے بالکل بے فکر ہو جاتی ہیں نہ کسی کی حاکم رہتی ہیں اور نہ کسی کی محکوم رہتی ہیں۔ رات کے وقت جب یہ روح ایک آدمی کے بدن سے نکل جاتی ہے تو قید میں پڑے ایک قیدی کو دوسرے قیدی کی خبر نہیں رہتی ہے نہ بادشاہوں کو اپنی سلطنت کی خبر رہتی ہے ۔رات کے وقت نہ کسی انسان کو نفع کی فکر رہتی ہے اور نہ نقصان کا اندیشہ۔ نہ کسی زید کا خیال رہتا ہے اور نہ کسی عمرو کا۔ یہ دو فرضی نام لکھے گئے ہیں۔ مولانا اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جس طرح تو ہر روز اتنی بڑی تعداد میں جسم کے ان قید خانوں سے بندوں کی ارواح کو رہائی دیتے ہیں اور وہ ایک دوسرے ہی عالم میں پہنچ کر بے غم ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر آپ بھی ہمیں باطنی پریشانیوں سے بے غم فرمادیں گے تو آپ کے لئے اس میں کیا دشواری ہے۔ اب مولانا اس سے زیادہ باریک بات ہمیں سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ روح کو بدن سے خارج کر کے ہی اسے سکون واطمیان سے نواز سکتا ہے اسکو تو یہ بھی قدرت ہے کہ بغیر نیند کے بھی بیداری کے عالم میں ایک مخلص بندے کو یہ حال اور یہ کیفیت عطا فرما سکتے ہیں جس سے وہ تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کرے جس طرح اللہ نے قرآن پاک کی سورہ کہف میں اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا ہے کہ **تحسبھم ایقاظاً وّھم رقود** یہ اس سورہ شریف کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس میں اللہ فرماتا کہ میں نے ایک غار میں پہنچا کر اصحاب کہف کا ایسا حال کر دیا اور ان پر اس قسم کی نیند غالب کر دی کہ دیکھنے والا ان کو جاگتا ہوا تصور کرتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس نیند کی حالت میں بھی اللہ نے ان کی آنکھیں کھلی رکھی تھی حالانکہ وہ سوئے تھے۔ یہاں پر مولانا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عارف لوگ دنیا سے بالکل ہی بے تعلق اور بے خبر رہتے ہیں اور نہ ہی حضرت رومیؒ اس ایت کی تفسیر بیان فرمارہے ہیں بلکہ یہ فرمارہے ہیں کہ ایک عارف کا حال بھی اسی جیسا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا مثنوی پڑھنے والوں کو اس مضمون سے نفرت نہیں کرنی چاہئے اور حضرت رومیؒ کی نصیحت کو نہیں جھٹلانا چاہئے۔ ایسے لوگوں کا دنیا کے حالات سے غافل رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بے ہوش ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بندہ اور اللہ کے درمیان پردہ بن جاتی ہیں اور جو کام اور باتیں اللہ سے غافل اور دور

کرنے والی ہوتی ہیں۔ان حضرات کو ان چیزوں یا ان باتوں کی طرف کوئی رغبت اور توجہ نہیں رہتی ہے اور کوئی کام ان سے اللہ کی مرضی کے خلاف صادر نہیں ہوتا ہے۔آگے مولانا فرماتے ہیں کہ وہ للہ کے ایسے فرمانبردار بندے ہوتے ہیں جس طرح ایک قلم کاتب کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ لکھنے والا جس طرف چاہتا ہے اس کو چلاتا ہے۔اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ایک قلم کی طرح ان کی حرکات وسکنات کسی لاچاری کی وجہ سے سرزد ہو جاتی ہیں۔کیوں کہ اس قسم کا عقیدہ اہل حق کے مطابق نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان سے صادر ہونے والے اِن امور کو ان کی مجبوری تصور کیا جائے گا تو پھر یہ اطاعت ان کا کوئی کمال نہ ہوگی۔ان کی مثال پھر ایک مشین کی بن جائے گی ان کی اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اُنکے ارادہ کو کوئی تعلق نہیں رہے گا اور اجر صرف اُس عبادت پر موقوف ہے جو بندہ اپنی رضا اور رغبت اور دل کے ارادہ سے انجام دے۔یہاں مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رضا اور اختیار کو اللہ کی رضا میں گم کر دیا ہے کہ ایک طرف اُن سے اطاعت ان کے ارادہ اور اختیار سے ہوتی ہے مگر دوسری طرف سے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت کے احکام کی یہ بجا آوری اُن کی طبیعت کی ایک مرغوب شے بن گئی ہے۔اور ایسی مرغوب اور دل پسند چیز بن گئی ہے جس میں ان کو اپنے اختیار پر بھی کنٹرول نہیں رہتا ہے۔اور ان کے یہ اعمال بالکل اس قلم کی طرح بن جاتے ہیں جو کسی لکھنے والے کا تابع ہوتا ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ قلم کے لکھنے کو مجبوری سے تعبیر کیا جائے گا اور ان نیک بندوں کی تابعداری کو اختیاری تصور کیا جائے گا۔

☆☆☆جاری ☆☆☆

# مکتوبات مع اظہار رائے

لال بازار سرینگر

۲۰۱۳

محترم وانی صاحب سرپرست ماہ نامہ راہِ نجات بارہمولہ

اسلام علیکم

آپ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ماہ نامہ کا ''داعیٔ توحید نمبر'' نظر نواز ہوا 186 صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر کے فکر انگیز اور ایمان افروز مندرجات کی ''زرین لہر'' سے ہر کشمیری مسلم روشنی اور فیض حاصل کر سکتا ہے کاش ان سب تک خصوصاً ان کی جوان سال اور اردو دان نسل تک اس نمبر کے پہنچنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے یا کوئی صاحب خیر آپ سے اس نمبر کی کم از کم تین سو کاپیاں خرید کر دانشگاہِ کشمیر میں زیر تعلیم شعبہ اردو، شعبہ اسلامیات، شعبہ عربی اور شعبہ فارسی کے طلبہ و طالبات کو ایک ایک کاپی تحفۃً بہم پہنچانے کا ذریعہ بن جائے تا کہ ہماری نئی پود کے یہ نمایندے ماضی قریب کے پانچ سرکردہ علماء دین سے بھی مختصر طور پر ہی سہی، لیکن صحیح تناظر میں متعارف ہو جائیں اور پانچ دہائیاں پیشتر کا وہ منظر نامہ بھی ان کی چشم تخیل میں آسکے۔ جس کا ایک تحریری جام جم یہ خاص شمارہ ہے کیونکہ اس میں مرحوم و مغفور مولانا عبدالولی شاہ صاحب داعی توحید کے نہ صرف معاصر ساکنان بارہمولہ کی افتادطبع کے بیشتر پہلو آسان اردو میں دیدنی بنائے گئے ہیں بلکہ اس وقت کے پورے خطہ کشمیر میں بود و باش رکھنے والے اسلامیان کشمیر کے دلوں اور دماغوں پر مسلط اُن اصلاح طلب عقائد کو بھی اجاگر کر لیا گیا ہے جن میں سے اکثر اب تک یہاں کے بزرگ نسل کے معتد بہ حصے کو عزیز ہیں۔ ''راہِ نجات'' کے اس خاص نمبر میں آپ نے اپنے تاثرات مدبرانہ ڈھنگ سے محدود رکھ کر بیشتر ذمہ داری بالغ نظر قارئین پر بھی ڈال دی ہے۔ تا کہ وہ اپنی صوابدید کو بروئے کار لا کر نتائج اخذ کر سکیں۔ یوں آپ کی غیر جانبدارانہ روش اس شمارہ کی ایک اضافی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ چنانچہ ایک عام

قاری خود اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ عارضی طور پر نفع بخش شرک پسند لگنے کی علماء سوء کی وہ روش کیا تھی جس نے پوری عالمی سطح پر مانے گئے نابغہ عصر علامہ کشمیری (مولانا انور شاہ لولابیؒ) کو اپنا بوریہ بسترہ باندھ کر کشمیر جیسا وطن عزیز چھوڑنے پر نوبت پہنچائی تھی حالانکہ وہ تین سال تک مدرسہ فیض عام کی آبیاری کر کے بارہمولہ کے قیام کے دوران بہت سے تلخ تجربوں کا مایوس کن اظہار کرنے پر بھی مجبور ہو گئے تھے۔ ایسے حقائق منظر عام پر لا کر نئی نسل تک پہنچانے کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ آپ نے وہ حق بھی کم و بیش ادا کر دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی اس اخلاص مندی اور خدمتِ دین کو قبول فرمائے جو اس فکر انگیز شمارہ کو ترتیب دیتے وقت آپ نے بروئے کار لائے ہیں اور خواص کی زبان میں یہ دعا بھی کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

خیر اندیش

احقر العباد

(شاعر توحید) پروفیسر مرغوب بانہالی

# راہِ نجات کی دعوتی سرگرمیاں

دعوتی سرگرمیوں کے سلسلے میں مورخہ ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء کو مسجد نور فتحگڈھ میں ظہر سے عصر تک ایک دینی مجلس منعقد ہوئی جس میں مہمان خصوصی مفتی عبدالرشید صاحب رفیع آباد اور ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کریری تھے۔ مفتی عبدالرشید صاحب نے صحبت صالحین پر ایک پراثر اور مدلل بیان فرمایا اور ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کریری نے اسلامی معاشرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی اسی طرح کی ایک تیسری مجلس مسجد نور میں ۲۸ اپریل ۲۰۱۳ء کو منعقد ہوئی جس میں مہمانِ خصوصی مولانا مسعود احمد غازی صاحب اوڑی اور قاری سجاد صاحب بونیار تھے۔ مولانا مسعود صاحب نے اس بات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی کہ کس طرح اسلام دشمن لوگ میڈیا میں مسلمانوں کی ناشائستہ تصویر پیش کرتے ہیں جبکہ قاری سجاد صاحب نے اسلامی معاشرت اور اخلاق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہم اپنے قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہر ماہ کی آخری اتوار کو منعقد ہونے والی اس نورانی مجلس میں ضرور شرکت فرماویں اور حضرات علمائے کرام کے علوم سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی کوشش کریں۔

ادارہ

# حضرت شاہ صاحبؒ کے آٹھ جلیل القدر شاگرد

| نمبر شمار | نام شاگرد | تاریخ پیدائش | تاریخ وفات | تصانیف |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | مولانا محمد یوسف بنوریؒ | ۱۹۰۸ء | ۱۹۷۶ء | معارف السنن یعنی ترمذی شریف کی شرح چھ ضخیم جلدوں میں۔(قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر پاکستان کو مجبور کیا اور اس میں کامیاب ہوئے) |
| ۲ | مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ | ۱۹۰۷ء | ماضی قریب میں رحمت حق ہوئے | انوار الباری علیٰ شرح بخاری جواب تک شائع شدہ بخاری شریف کی تمام شرحوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور احناف کی طرف سے دفاع کا قابل تعریف مواد اس میں موجود ہے۔ |
| ۳ | مولانا سید بدر العالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی | ۱۸۸۹ء | ۱۹۶۵ء | کراچی میں جامع اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔عربی میں فیض الباری اور اردو میں ترجمان السنہ چار ضخیم جلدوں میں لکھیں اس کے علاوہ جواہر الحکم بھی قابل ذکر ہے |
| ۴ | مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ | ۱۸۹۶ء | ۱۹۷۸ء | معارف القرآن ۸ جلدوں میں اور ایک اہم علمی کتاب ''مقام صحابہ'' |
| ۵ | مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ | ۱۹۰۰ء | ۱۹۷۴ء | مشکوٰۃ کی عربی شرح ''التعلیق الصبیح'' ۴ جلدوں میں،مقامات حریری کا حاشیہ،سیرت المصطفیٰ ﷺ اور ۲۲ پاروں کی تفسیر کے علاوہ حدیث کے متعلق چند اہم کتابیں |
| ۶ | مولانا قاری محمد طیب صاحب | ۱۸۹۷ء | ۱۹۸۳ء | آپ کی کئی تصانیف کے علاوہ آپ کے خطبات شائع ہو چکے ہیں۔ |
| ۷ | مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ | ۱۹۰۰ء | ۱۹۶۳ء | اسلام کا اقتصادی نظام،قصص القرآن،بلاغ مبین،وغیرہ |

**Decleration of Ownership &other details Form 4 Rule 8**

Name of Paper:*Rah-i-Najaat*

Place of Publication :*Baramulla*

Periodicity of Publication :*Monthly*

Editor :*Muneer Ahmad Wani*

Adress:*Fatehgrah Baramulla (Kashmir)B.P.O:Heevan.PIN:193101*

Printer &Publisher :*Muneer Ahmad Wani*

Nationality: *Indian*

Adress(Office):*Lone Shopping Complex Opp.Sherwani Hall Baramulla*

Ownership:*Muneer Ahmad Wani*

*Printer/Publisher/Owner*,declare that the above information is correct to the best of my knowledge and belief.

Pages 112 Excuding Title Cover

Phone No's

9797087730,9906518328,9596002936,01952234180

E.Mail:salik_bilal@yahoo.com

Postal:adress

Head Office :Lone Shopping Complex

Opp.Sherwani Community Hall Baramulla

RNI NO: JKURD/2011/45419
Postal Redg. No JK/137/2011-20114

*Monthly*
# RAH-I-NAJAAT
BARAMULLA

## راہِ نجات

بے خبر بن کے نہ رہ پہچان لے اللہ کی ذات ۔۔۔ ڈھونڈ لینا کام ہے تیرا یہاں راہ نجات
خواب غفلت میں مگر جس نے گزاری زندگی ۔۔۔ مر کے ملتی ہے کہاں اس کو وہاں راہ نجات
چشم بینا ہو عطا جس صاحب ذی ہوش کو ۔۔۔ پا ہی لیتا ہے وہ منزل ہے جہاں راہ نجات
تھام لے دامن محمد ﷺ اور اس کی آل کا ۔۔۔ چھوڑ کر ان اہل حق کو ہے کہاں راہ نجات
وہ ہدایت کے ستارے یعنی اصحاب کرامؓ ۔۔۔ پورے عالم میں صدا دی ہے قرآں راہ نجات
بو حنیفہؒ جاگنے والا وہ راتوں کو سدا ۔۔۔ ہے کیا آسان تر جس نے بیاں راہ نجات
شافعی و مالکی و حنبلی سب اہل حق ۔۔۔ حق کی خاطر تھا زباں پر ہر زماں راہ نجات
اولیاء و اصفیاء و اتقیاء و اذکیاء ۔۔۔ مرتے دم تک تھا برابر بر زباں راہ نجات
عمر بھر عاصی سدا اس فکر میں ڈوبا رہا ۔۔۔ فکر کی پنہائیوں میں ہے نہاں راہ نجات

(عاصی فتح گڈھی)

Printed and Published by :*Muneer Ahmad Wani**Printed at :*Universal Printing Press Baramulla*:Publised From: *Baramulla Kashmir*.
Editor :*Muneer Ahmad Wani* *E mail : Salik_bilal@yahoo.com